مجموعۂ کلام مولوی نظامی

۲۳ ۵ ۱۳

از

ملا عبدالقادر مورخ بدایونی

مطبع نظامی پریس بدایوں

۱۹۳۳ع

انتساب

اردو ادب کی ترقی کے ساتھ خاص دلچسپی

اور نظامی صاحب مصنف کتاب ہذا کے ساتھ

ان کے مخلصانہ تعلقات کی بنا پر اردو نظم کے اس بیش بہا مجموعہ کو

بصد ادب

سید راس مسعود المخاطب بہ نواب مسعود جنگ بہادر بالقابہ

کے نام نامی پر معنون کرتا ہوں

گر قبول افتد زہے عز و شرف

خاکسار

مؤلف

فروری سنہ ۱۹۳۵ء
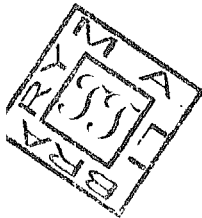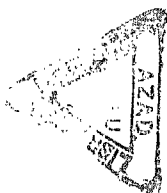
فہرست مضامین تجلیات سخن

نمبر نظم	(مضمون) خاص عنوان یا نظم کا مصرعہ اول	صفحہ
	انتساب	
	تمہید۔ از مولٰنا ہبہ احمد صاحب فرشوری بدایونی	١
	دیباچہ۔ از مولٰنا قمرالدین احمد صاحب قمرؔ بی۔ اے۔ بی۔ ٹی۔ فرشوری بدایونی۔	٦ تا ١٥
	مقدمہ۔ از مولٰنا محمد قمرالحسن صاحب قمرؔ حمیدی۔ ارشدی بدایونی	١٦ تا ٢٠
	بدایوں کے مرحوم شعرا کی فہرست بطور تذکرہ	٢١-٥٠
	(ضمیمہ) ملا عبدالقادر مورخ بدایونی کے مخصوص حالات	٥١
	ملاّ مرحوم کا رخصتی سلام (بہ تخاطب اہل وطن)	٥٤
	رخصتی سلام کے مخصوص حملوں کی تردید (کتب تواریخ سے)	٥٩
	تتمہ فہرست مرحوم شعرائے بدایوں	٦٢
	نظامی صاحب بارگاہ ایزدی میں	
١	ع دینا اسے کہتا ہے دلانا کوئی	٦٣
	نظامی صاحب بارگاہ نبوی میں	
٢	ع جسے ہم دیکھتے ہیں آج محو شادمانی ہے	٦٣
٣	ع ماہ میلاد آگیا پھر رونما ہے بارھویں	٦٥

قبل ملاحظہ

براہ کرم پہلے کتابت کی غلطیاں درست فرمالیجیے۔ اُردو رسم خط میں نقاط کو جو اہمیت حاصل ہے وہ ظاہر ہے۔ کسی کا مشہور قول ہے کہ "بادہ بیک نقطہ یا بو شود" لیتھو کی چھپائی میں تجا کی عنایت کے بعد اگر کاپیوں میں درستی بھی کر دی جائے تو بعض اوقات چھپائی میں نقطے غائب ہو جاتے ہیں اور جو شخص اُردو سمجھنے کی قابلیت رکھتا ہے وہ اس کو سیاق کی مدد سے پڑھ لیتا ہے۔ اسی حالت کے متعلق یہ مقولہ مشہور ہے "عاقلاں بیرو نقطہ نہ شوند" تجلیات سخن کی ۶۰ غلطیوں میں سے ۳۹ غلطیاں ایسی نکلیں جو نقطوں سے تعلق رکھتی ہیں اور گیارہ سنین کے ہندسوں میں ہندسوں کی کمی بیشی سے واقع ہو گئی ہیں۔ بقیہ غلطیاں لفظی ہیں۔ بہرحال ہر غلطی غلطی ہے اس لیے ناظرین سے التجا ہے کہ وہ ذرا سی تکلیف گوارا فرما کر تصحیح فرمالیں۔

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۱۱	مجالس	مجالس	۵	۱۱	بہاریہ	بہاریہ
۲	۸	کتانی صورت	کتابی صورت	۵	۱۲	من الخطاء والنسیا	من الخطا والنسیان
۳	۱۹	حسن و قیح	حسن و قبح				
۴	۱۷	اس کے	اُن کے	۱۰	۱۳	فعال	فغال
				۱۰	۱۵	عافل	غافل

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۹	۵	ہولی	مولی
۱۹	۱۰	منہ	مع
۲۲	خانہ وفات ۶	۱۸ صفر سنہ ۱۳۴۶ھ	۱۸ صفر سنہ ۱۳۲۶ھ
۲۲	۸ ,, ,,	سنہ ۱۳۴۸ھ ۱۹۱۰ء	سنہ ۱۳۲۸ھ ۱۹۱۰ء
۲۳	۹ ,,	۸ جون سنہ ۱۹۲۹ء	۸ جون سنہ ۱۹۲۵ء
۲۴	۶ ,,	۱۷ رجادی الآخر	۱۷ جمادی الآخر
		سنہ ۱۳۷۷ھ	سنہ ۱۲۷۷ھ
۲۶	۱۰	رخسار ضم	رخسار صنم
۲۶	۶ خانہ وفات	سنہ ۱۲[illegible]ھ	سنہ ۱۲۶۴ھ
۲۹	۳ خانہ نسبت نام وسکونت	توصل حسین	تفضل حسین
۳۲	۱۲	نطف عام	لطفِ عام
۳۴	۵ خانہ وفات	سنہ ۱۱۳۶ھ	سنہ ۱۳۴۷ھ
۳۵	۲ کلام	میر	بیسر
۳۵	۱۰	زمب وزیں	زیب وزین
۳۷	۲	اب لعل	لبِ لعل

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴۰	خانہ ولادت ۳	سنہ ۱۸۹۴ء	سنہ ۱۸۵۴ء
۴۰	۶ ,,	سنہ ۱۳۳۵ھ	سنہ ۱۲۳۵ھ
۴۱	۷ ,,	سنہ ۲۷۴ھ	سنہ ۱۲۷۴ھ
۴۲	۱۱ خانہ نام	علام غوث	غلام غوث
۴۲	۱۲ ,,	عزمزالدین	عزیزالدین
۴۴	۲	قریب سنہ ۱۱۴۴ھ	قریب سنہ ۱۲۴۴ھ
۴۵	۱۵	موعود ہیں	موجود ہیں
۵۰	۱۵	خوب لکھ ور	خوب لکھا اور
۵۲	۶	غیض وغضب	غیظ وغضب
۵۲	۱۳	لفظ حرف (ن)	حرف (ن)
۵۳	۱۵	برگ یاشد	برگ باشد
۵۴	۱۶	شریف وہم وضیع	شریف وہم وضیع
۵۵	۱	اسپ وآذن	اسپ وآذن
۵۵	افٹ نوٹ	اسپ وپول	اسپ پول
۵۵	۱۱ ,,	سیخ سہرودی	شیخ سہروردی
۵۵	۱۵ ,,	عبدالسدمکی لے	عبداللہ مکی نے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۵۶	۲	سکارا سے	سکا رسے	۱۰۵	۱	شا خوں پر ہیں	شاخوں پر رہیں
۵۶	فٹ نوٹ ۴	شر مشار	شرمسار	۱۰۸	۵	حسرو	خسرو
۵۸	۱	سداں عوریاں	سیدانِ غوریاں	۱۰۹	۱۴	ہم نہیں	ہم یہ نہیں
۵۸	۹	کنیرک	کنیزک	۱۱۲	۳	حلد اوّل	جلد اوّل
۶۹		غیر ہو	غیر ہو	۱۱۸	۳	حالِ ولادت	سالِ ولادت
۷۸	۱	ھیل جائے گی	پھیل جائے گی	۱۱۸	۱۶	بر روے کا	بر روے کار
۸۰	۲	چارہ فرط	چارہ فرما	۱۱۹	۷	کالج کے پرنسپل	کالج کے پرنسپل تھے
۸۰	۳	الٹ گئی	لٹ گئی	۱۲۳	۱۱	موقعہ پر	موقع پر
۸۴	۱۲	اور اگر ہو	اور اگر ہو	۱۲۵	آخر سطر کے بعد ہی غزل کے بقیہ اشعار فہرست تصحیح کے صفحہ (ی) پر ملاحظہ فرمایئے		
۸۷	۱۶	لپنے جاں نثار	اپنے جاں نثار				
۷۹	۱۱	نہ داکر ہیں	نہ ذاکر ہیں	۱۲۷	۸	ہندستاں	ہندستان
۹۲	۱۱	قایم ہو	قایم رہے	۱۳۱	۱	فیض عدے	فیضِ جدے
۹۶	۸	ذوقِ آبگیں	ذوقِ انگبیں	۱۳۳	۶	دسمبر ۱۷-۱۹ء	دسمبر ۱۹۱۷ء
۹۸	۴	حلوے	جلوے	۱۳۴	۱۳	تین مختلف نظمیں	مختلف نظمیں
۹۹	۱۰	دشوا اُن	دشوار اُن	۱۳۶	آخر سطر	عبد الجامع	عبد الجامع جامی
۱۰۱	۱۸	علماں	غلماں				
۱۰۳	۱۱	لفظ لفظ	نقطہ نقطہ				

صفحہ ۱۲۵ کے بقیہ اشعار

ادھر آؤ بنو اک قوم چھوڑو روز کے جھگڑے
سنا ہے تم نے آزادی کبھی مانگے سے ملتی ہے
وہ دن آئے کہ قوت ہند کی ہو ووٹ میں مضمر
ہمیں ایسے نمائندوں کی اصلا کچھ نہیں حاجت
جو بے سمجھے کریں تقلید اوروں کی وہ رہبر کیا
کبھی وہ دن ہوں تو آبادیوں جیسی حکومت ہو
سنا ہے راہ میں غلطے ہیں دو رانا ساز بیٹھے ہیں

مزا جب ہے محبت میں ملاوٹ کچھ نہ ہو شر کی
بنو تم اہل اس کے جب کہیں ہو قدر جوہر کی
یہی کوشش ہو پبلک کی یہی کوشش ہو رہبر کی
ہو دل بھی سنگ جن کا خود ہی ہوں تصویر پتھر کی
چلیں پیچھے انہی کے سب یہی خوبی ہو لیڈر کی
کرشمہ حسن بھی جو یاں ہو دل افروز منظر کی
لگا ہے منزل مقصد سے پھر جائیں نہ رہبر کی

نظامی پھر زمین ہند میں وہ جلوہ گاہیں ہوں
کرشمہ جات گردوں پر نمایش بزم اختر کی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

وطن سے دور رہ کر ملازمت کی مصروفیتوں نے مجھے دلی جذبات کے پورا کرنے اور علمی دلچسپیوں سے عرصہ دراز تک محروم رکھا جب خدا کے فضل و کرم سے پنشن لیکر گھر بیٹھنا نصیب ہوا تو طبیعت کا رجحان اپنے جذبات کی طرف ہونے لگا مجھے ابتدا ہی سے نظم و نثر دونوں سے اُنس رہا ہے اور اس معاملہ میں اپنے معزز و محترم برادر عزیز مولوی نظامی صاحب کے ساتھ میں ہمیشہ ہم خیال رہا ہوں شاعری میں گل و بلبل کے پارینہ مضامین یا فحش مخرب اخلاق نظمیں کبھی پسند نہ ہوئیں علیٰ ہذا نظامی صاحب کا مذاق بھی میرے ہی ذوق سے ملتا جلتا رہا ہے اُن کی نظمیں زیادہ تر اصلی واقعات کا مرقع دلی جذبات کی حامل مذہبی خیالات کا آئینہ ہیں لیکن اُنھوں نے مواقع کے اعتبار سے یا حالات و واقعات سے متاثر ہو کر یا مذہبی متبرک مجالس کی شرکت کے موقع پر یا کسی قومی دلچسپی کے سبب سے جب کبھی کوئی نظم لکھی تو اُسی وقت اُس کو سنا کر دل خوش کر لیا اور اُس کے محفوظ رکھنے کی کبھی فکر نہ کی۔ کچھ نظمیں تو دوستوں کے اصرار سے ذوالقرنین میں چھپ کر شایع ہو گئیں اور اکثر خواجہ حافظ کے پرچوں کی طرح منتشر رہ کر محروم اشاعت رہیں اور

نہ معلوم کس قدر تلف ہوگئیں یہ دیکھ کر میرا دل کڑھا اور خیال ہوا کہ جیسے ہمارے شہر کے کثیر التعداد ذی علم قابل موزوں طبع اصحاب کے کلام اُن کے یا اُن کے جانشینوں کی ذراسی بے اعتنائی کی بدولت صفحۂ ہستی سے مٹ گئے مبادا نظامی صاحب کی نظموں کا بھی یہ ہی حشر ہو اس لیئے میں نے اول تو ذوالقرنین کے پُرانی جلدوں کی ورق گردانی شروع کی جس قدر نظمیں اخبار کے پرچوں میں دستیاب ہوئیں اُن کو جمع کرلیا اور پھر متفرق اوراق کی ٹٹول میں جو نظمیں حاصل ہوسکیں اُن کو بھی یکجا کرلیا۔ اس طرح پر حتی المقدور اپنے کرم دوست کے پُر بہار گلشن تصنیف سے گل چینی کرکے ۵۵ نظموں کا ایک رنگا رنگ گلدستہ بنا لیا جو رشتۂ طبع سے منسلک ہوکر کتابی صورت میں ناظرین کے ہاتوں تک پہونچ رہا ہے۔ میری اس کوشش کو مولوی قمر الدین صاحب (قمر) بی۔ اے بی۔ ٹی فرشوری نے بھی نظر پسندیدگی سے دیکھا اور اس مجموعہ کا ایک دیباچہ تحریر فرمایا جو آئندہ صفحات میں درج ہے۔ ناظرین ملاحظہ کریں گے کہ اُنھوں نے نظامی صاحب کی نظموں پر کس قابلیت سے تبصرہ کیا ہے۔ منشی قمر الحسن صاحب حمیدی قمرؔ بدایونی نے بھی جن کو شعر و شاعری میں کافی شغف اور انہماک ہے اور کہنہ مشق شعرا میں اُن کا شمار ہے نظامی صاحب کے کلام کی بقا و حفاظت کے متعلق میرا ہاتھ بٹایا نہ صرف اُس کی ترتیب میں مشورہ دیا بلکہ میری درخواست پر بسیط مقدمہ بھی لکھڈالا جس میں اصل کتاب کا تعارف کرانے سے پہلے بدایوں کے مرحوم شعرا کے نام و کلام کو بہ سبیل تذکرہ زندہ کرنے کی کوشش فرمائی اس سلسلہ میں ایک اہم تاریخی فارسی سلام کو جس کو ملا عبدالقادر بدایونی جیسے نامور شاعر سے منسوب کیا جاتا ہے اور جو اب تک صرف لوگوں کے حافظہ میں محفوظ سمجھا جاتا تھا صفحۂ قرطاس پر نمایاں کردیا۔ اس سلام کی تاریخ اور وجہ تصنیف بھی قمر صاحب نے اپنے

مقدمہ میں بتائی ہے اس کی تاریخی تحقیقات مغربی مورخین کی طرف سے بھی شروع ہوگئی ہے۔
اور اُس کی نقلیں انگلستان تک پہونچ چکی ہیں یہ واقعہ میرے علم میں ہے کہ اس صوبہ
کے نامور سویلین مسٹر آر۔ برن۔ نے جب وہ ایک اعلیٰ عہدہ سے دست کش ہونے والے
تھے اور جن کو علم تاریخ سے بھی کافی دلچسپی ہے (آخری حصہ ۱۹۲۶ء) میں میرے برادر معظم
خان بہادر مولوی فصیح الدین صاحب بی۔ اے ریٹائرڈ کلکٹر ممبر کونسل کے ذریعہ سے اس
سلام کی ایک نقل حاصل کرنے کی کوشش کی تھی اور خان بہادر صاحب موصوف نے اپنے
عم مکرم مولوی ابوالحسن صاحب صدیقی سے جن کے پاس اس سلام کی نقل محفوظ تھی اور
جس میں اُنھوں نے اکثر مشکل فارسی الفاظ پر نوٹ لکھے تھے لیکر برن صاحب موصوف
تک اُس کو پہونچا دیا تھا۔ انگریز مصنفین کی کوئی سعی بے نتیجہ نہیں رہتی خیال کیا جاتا ہے کہ صاحب
موصوف کی یہ جدید تحقیقات کسی تاریخی مضمون یا کتاب کے ذیل میں پبلک سے روشناس
ہوئے بغیر نہ رہے گی لیکن مجھے خوشی ہے کہ قبل اس کے کہ دس ہزار میل بدایوں سے دور رہنے والے
شخص کی وساطت سے بدایونی مورخ کا یہ تاریخی تحفہ پبلک میں پیش ہو ایک ایسی کتاب
میں جو ایک بدایونی کے نتائج افکار کا مجموعہ ہے اور جس میں بدایوں کے ایسے ایسے شعرا کو پبلک
سے روشناس کرایا گیا ہے کہ جن کا کلام کسی کتاب کے اوراق میں موجود ہونا تو درکنار
موجودہ نسل کے حافظہ سے بھی محو ہونے کے قریب آگیا ہے جگہ دی گئی اُمید ہے قمر صاحب کے
مقدمہ کا یہ حصہ "تجلیات سخن" کی قبولیت کا سبب ہوگا اور نہ صرف اہل بدایوں بلکہ تاریخ
سے دلچسپی رکھنے والا طبقہ اس کو شوق سے پڑھے گا۔ مولوی قمرالدین صاحب و منشی
قمرالحسن صاحب نے اپنی اپنی جگہ نظامی صاحب کی نظموں پر اظہار خیال کر کے مقدمہ نویسی
کے فرض کو نہایت خوبی سے ادا کیا ہے اور حسن و قبح کے پہلوؤں کو یہ قمرین اس حد تک

روشنی میں لائے ہیں کہ مجھے مزید تبصرہ کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی اس لیئے میں اس مجموعہ تجلیات سخن کی ترتیب کے متعلق چند الفاظ لکھ کر اپنی گزارش کو ختم کرتا ہوں۔

نظامی صاحب نے سالہا سال سے یہ معمول کر لیا ہے کہ اگر سال کے ۳۶۵ دنوں میں ایک شعر بھی موزوں نہ کریں تو ہر سال ۱۲ ربیع الاول کی شب میں وہ ایک قطعہ یا نظم جشن میلاد نبی خانہ بدایوں کے لیئے ضرور لکھتے ہیں اور وہ بھی اس طرح کہ شب کو جب دس گیارہ بجے کے بعد ملنے والوں کی آمد و شد بند ہو جاتی ہے رات کے سناٹے میں وہ قلم دوات لیکر بیٹھتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت صرف وہی خیالات جو اُن کی نظم کا موضوع ہوتے ہیں اُن کے دماغ پر مسلّط ہوتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ صبح صادق سے پہلے اچھی خاصی نظم تیار ہو جاتی ہے جس کو وہ ۱۲ ربیع الاول شریف کی محفل میلاد میں سُنا دیتے ہیں ان نظموں کو ایک خاص عنوان کے ذیل میں ایک جگہ لکھ دیا ہے اور ہر نظم کا سال تصنیف بھی دیدیا ہے۔ ان نظموں کی یہ خصوصیت ہے کہ جو اسلامی تحریک اُس زمانہ میں دائر و سایر ہوتی ہے اُس کی طرف نظم میں ضرور اشارہ ہوتا ہے اور اس طریقہ سے ربیع الاول شریف کی اکثر نظمیں تاریخی حیثیت رکھتی ہیں نعتیہ نظموں کے علاوہ اور دیگر نظموں کے متعلق بھی یہ التزام قایم رکھا ہے کہ ہر عنوان کی نظمیں یکجا درج ہوں اور سال تصنیف بھی اُن کے ساتھ ظاہر کیا جائے تاکہ پڑھنے والے کو یہ اندازہ ہو جائے کہ ایک شاعر کا کلام بتدریج کس طرح ترقی کرتا ہے۔ اور ان نظموں کے پہلے جہاں ضرورت سمجھی گئی ہے تفصیل کے ساتھ یہ بتا دیا ہے کہ وہ کس موقع کے لیئے لکھی گئیں تاکہ ناظرین اُس کے مطالعہ سے پورا لطف اُٹھا سکیں۔

آخر میں مجھے یہ کہنا ہے کہ اس کتاب کے شروع میں آپنے ہاف ٹون بلاک کی ایک تصویر ملاحظہ کی ہوگی یہ نظامی صاحب کے اُس زمانہ کے فوٹو سے تیار کی گئی ہے جب اُن کی عمر

چہل سال کی منزل سے نہیں بلکہ پنجاہ سال سے بھی گزر چکی تھی اور مسلسل دماغی محنت کے سبب اُن کے سر میں ایک بال بھی سیاہ باقی نہیں ہے۔ کتابوں میں تصویر کی اشاعت ایسی عام ہوگئی ہے کہ تقریباً کوئی کتاب بھی اس سے خالی نہیں ہوتی لیکن اس حالت میں بھی نظامی صاحب کو اصرار تھا کہ اُن کی نظموں کے مجموعہ کے ساتھ اُن کی تصویر کی ضرورت نہیں۔ میں نے اُن سے یہ کہا کہ آپ کی رائے اس معاملہ میں نہ مانی جائے گی بلکہ اس کو عزیزی احیدالدین سلمہ کی رائے پر چھوڑ دیا جائے کیونکہ وہ فن طباعت کے ماہر ہیں۔ تصویر سے کتاب کی خوشنمائی اور اہمیت کے بڑھنے یا نہ بڑھنے کا فیصلہ وہ ہی خوب کر سکتے ہیں چنانچہ احیدالدین نے تصویر کے اضافہ کے حق میں رائے دی اور پھر نظامی صاحب کو اپنے عزیز فرزند کی دلشکنی کے خیال سے سکوت اختیار کرنا پڑا۔

کتاب کی طباعت اور اُس کی جلد کو خوشنما بنانے میں مسٹر احیدالدین کا خاص حصہ ہے۔ کاپیوں اور پروفوں کی تصحیح حتی الامکان خود میں نے اور قمر صاحب نے نہایت کوشش سے کی ہے لیکن پھر بھی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کتابت کی اغلاط سے کتاب بالکل پاک ہے۔ کیوں کہ "الانسان مرکب من الخطاء والنسیان"۔

مجھے اُمید ہے کہ اُردو ادب کے قدردان میری اس کوشش سے خوش ہوں گے کہ میں نے اُردو نظم کے وہ آبدار موتی جو منتشر پڑے تھے ایک سلسلہ میں منسلک کرکے اُن کے سامنے پیش کر دیئے۔ والسلام

خاکسار زاہد احمد فرشوری

بدایوں ۱۲ر جنوری ۱۹۳۰ء

دیباچہ

(از قمرالدین احمد بدایونی بی اے بی ٹی۔ ہیڈ ماسٹر کاماریڈی حیدرآباد دکن)

کسی ایرانی کا شعر ہے ؎

تا زندہ ایم لطفِ خود از ما مکن دریغ　　بعد از وفات کس بکس احساں نمیکند

لیکن اس کلیہ کے تغلیط مجھ کو اس مرتبہ بدایوں کے دورانِ قیام میں ذوالقرنین آفس میں عملی حیثیت سے نظر آئی مولوی ہبہ احمد صاحب فرشوری بدایونی نے مولوی نظام الدین حسین صاحب نظامی بدایونی کے کلام کو یکجا کرنے کا ارادہ کیا۔ مولوی قمرالحسن صاحب نے اس ارادہ کو عملی جامہ پہنانا چاہا "سخن از قصہ و افسانہ از افسانہ می خیزد" کے مصداق مولوی نظام الدین حسین صاحب کی بے پروائی اور کم خیالی کے سبب ان کے کلام کو جمع کرنے میں جو زحمتیں رونما ہوئیں اس سلسلہ میں یہ خیال پیدا ہوا کہ بدایوں کی بے شمار روشن ہستیوں کے افکار درخشاں اور اطفال طبع زاد ان کے ساتھ گور میں چلے گئے۔ کوشش کر کے ان کو پھر زندگی بخشی جائے۔ کارلائل کہتا ہے "جو لوگ اپنے اسلاف کے کارنامے فخر و ناز کے ساتھ یاد نہیں رکھتے انھوں نے گویا یہ تہیہ کر لیا ہے کہ ہم اپنے بزرگوں کی طرح ہرگز نام آور نہ ہوں گے"۔

غرض کہ نظامی صاحب کے رفقا کی کوشش کے سبب بدایوں کے مُردوں کے ساتھ بالراست نہ سہی تو بالواسطہ یہ "احسان" ہوا کہ وہ زندہ جاوید بن گئے۔ اور اس طرح سے

یہ "بعد از وفات کس بکس احساں نمیکند" کا نظریہ باطل ہو گیا۔ اس میں بعض "انجہانی" بدایونی حضرات کا کچھ غیر مطبوعہ کلام تو ایسا ہے جو ادبی حیثیت سے نہایت بلند اور قابل قدر ہے۔ مثلاً ملا عبدالقادر بدایونی کا سلام "تاریخی نقطۂ نظر سے ایک نہایت گرانبہا اور عدیم المثال دستاویز ہے۔ بعض وقت ایک خفیف سی جھنبنی بھی بڑا دل باندھتی ہے۔ اور معمولی سی تحریکات عظیم الشان کارگزاریوں کی شکل میں رونما ہوتی ہیں۔ ہم مسرور ہیں کہ مولوی نظام الدین حسین صاحب نظامی کے کلام کے طفیل میں بعض ایسے ایسے جواہر پارے منظر عام پر آگئے جو اگر کلام نظامی طبع نہ ہوتا تو شاید ہمیشہ قعر گمنامی میں پڑے رہتے۔ نظامی صاحب کے کلام کی نسبت تفصیل سے رائے کا اظہار مولوی ہیبہ احمد صاحب اور مولوی قمرالحسن صاحب کے دائرہ کار سے متعلق ہے۔ میں کچھ تمہید کے ساتھ اس خرمن کے چند دانے ہدیہ ناظرین کروں گا۔ نظامی صاحب کی شاعری مشاعروں کا کرتب نہیں، دل پر گزری ہوئی واردات ہے۔ بقول اکبر مرحوم ؎

جس شخص پر پڑے گی مصیبت زمانے میں
جو کچھ کہے گا ہو گی ہماری کہی ہوئی

ان کا کلام ایک زمانے کے بعد دنیائے بے نشانی سے روشنی میں آیا ہے۔ اور ذوق سلیم رکھنے والوں کی نگاہ نکتہ سنج سے داد حاصل کرنے کے لیے کافی ہے۔ مولوی صاحب موصوف کے کلام میں بعض اشعار روانی بندش اور تخیل کے لحاظ سے بہت سست اور پست بھی ہیں لیکن بیشتر کلام ایسا ہے جس میں شاعر کی سلاست بیان بلندیِ فکر اور بالغ نظری کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ باوجود عدم کہنہ مشقی کے کلام میں پختگی بدرجہ غایت ہے اور استادی کا رنگ اکثر اشعار سے جھلکتا ہے۔ کلام کا

بیشتر حصہ اخلاقی اور عارفانہ مضامین پر مشتمل ہے۔ تاہم عاشقانہ حصہ بھی لطف و گداز سے خالی نہیں ہے۔ کہتے ہیں ؎

بھولی بھولی صورتوں کو گرم شوخی دیکھ کر
حسن پر ایمان لائے زاہد ان با صفا

شوخ باتیں پیار کی گھاتیں لُبھا لیتی ہیں دل
گورے گورے ہاتھ ہیں اُٹھ اُٹھ کے مصروفِ دعا

تسلسل خیال نے مجھے منیر کی ندرتِ تشبیہ کا خیال دلا یا۔ کہتا ہے ؎

گوری کلائیاں سرِ مدفن اُٹھایئے
دو شمعیں بھی چڑھایئے ہمراہ فاتحہ

نظامی کے یہاں غزل کے قالب میں اکثر جگہ آپ کو سیاسیات معرفت اخلاق اور موعظت کی روح ملے گی۔ ان کی محفل ادب میں بجائے ساز کے سوز نظر آتا ہے ممکن ہے کہ کبھی لب آشنائے "واہ" ہوئے ہوں لیکن آپ بالعموم ان کا سینہ گنجینہ آہ سے معمور پائیں گے۔

قبل اس کے کہ ہم نظامی کی شاعری پر نظر ڈالیں ہم کو اس عہد کی خصوصیات دیکھنی چاہئیں بیسویں صدی کا وہ ابتدائی زمانہ ہے کہ جب مشرقی اخلاق مشرقی معاشرت اور مشرقی تمدن کے بار کو مشرقیوں نے فرماں رواؤں کے اتباع میں کفش دنداں نما کی طرح اتار کر پھینک دیا ہے تمام ہندوستان کو مغربی سحر نے مسخر کر رکھا ہے۔ بدنصیب مسلمان غدر ۱۸۵۷ء کے المناک نتائج بھگت رہے ہیں۔ مسلمانوں کی دولت گم ہو چکی ہے۔ لیکن "چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا" جیسے برخود غلط دعاوی سے فضا گونج رہی ہے۔ ساری قوم غلام ہے۔ اور بے پر ہے۔ زرِ قوم جو باقی رہ گیا ہے وہ ہوائے نفس میں اُڑایا جا رہا ہے۔ اخوت۔ ملنساری محبت۔ خودداری۔ حق پسندی وفا شعاری عنقا ہے۔ ملت ترمیم ہو چکی ہے۔ مذہبی عقائد پر مغربی بجلی گر چکی ہے۔ تعلیم رخصت ہے۔ ادب گم ہے۔ فرماں روا کی قوت قادرِ مطلق کی قوت سے زیادہ سمجھی جا رہی ہے۔ مولوی اپنے اپنے تزکیہ نفس کی فکر میں ہیں۔ اپنی اپنی خانقاہوں میں

درود شریف کا ورد ہے۔ اس کی کوئی فکر نہیں ہے کہ تباہی اور ادبار کے سیلاب میں دوسرے بھائی بھی جا رہے ہیں۔ ہادیانِ ملّت کا ملجا و ماویٰ مسجدوں کے حجرے ہیں۔ جہاں پڑوس سے سالن روٹی آجاتا ہے اور اس سے یہ دنیا پر لات مارنے والے پیٹ بھر لیتے ہیں۔ مخلوق کو بھی یہی تعلیم دی جارہی ہے کہ دُنیا گزاشتنی ہے۔ مومن کو چاہیئے کہ اس کو سفر بنائے نکبت پر شکر کرے اور ذلت پر صبر سے

گو لاکھ بے وقار ہوں مرنا کو غم نہیں
کیا کم ہے یہ شرف کہ وفا میں کم نہیں

یہ وہ زمانہ تھا جب سرسید اور ان کے انصار نے جنم لیا۔ اور قوم کے دل میں فاتحین کی طرف سے جو بھڑک تھی اس کے نکالنے میں سرگرم سعی ہوئے۔ اس یقین کے ساتھ کہ انگریز ایک ترقی یافتہ قوم ہیں۔ اگر ہم ان کی اندھی تقلید بھی کریں گے تو دو قدم آگے ہی بڑھیں گے۔ فاتحین سے رشتہ یگانگت جوڑا ساری قوم مزدور تو تھی ہی اب اس کو خوش دل مزدور بنایا۔ اور پہلے کالج کی برکت سے بیکاری و اخلاق کا دلدر دور کیا۔ حالی نے نظم سے شبلی و نذیر احمد نے نثر سے اور سرسید نے محکمہ تعلیم و ترغیب کے نشتر سے سوتی ہوئی قوم کو چونکانا شروع کیا۔ اس پر بھی ع

ہم ہیں مگر وہ نیند کے ماتے جاگتے ہی سو جاتے ہیں

کے مصداق کچھ مصروفِ خواب اب بھی نیند میں بڑاتے ہی رہے سے

(اکبر)
ایشیا نے کمر تو باندھی ہے کوئی شوکت ہے کوئی گاندھی ہے
مگر اب تک بہت ہیں اڑیل وہی پشتک ہے وہی کاندھی ہے

نظامی نے جب آنکھیں کھولیں تو یہ فضا نظر آئی۔ دردمند دل میں اپنی گلیم کو "موج" سے

نکالنے کا اتنا خیال نہیں ہوا جتنا "قوم غریق" کو سیلاب سے باہر نکالنے کا پہلے سوچا کہ شاعری کی آگ سے قلوب کو گرمائیں اس خیال سے کلام بغرض اصلاح مولانا حالی کی خدمت میں روانہ کیا۔ لیکن اس سچے نباض اور حقیقی جوہر شناس نے رائے دی کہ شاعری کو آلۂ کار نہ بنایا جائے "ہر کسے را بہر کارے ساختند" اس صلاح کے موافق نظامی کے بے چین دل نے شاعری کے اکھاڑے میں کودنے کی بجائے اپنے رہوار طبیعت کو میدان صحافت میں سرگرم کیا۔ اور باوجود احساس تنہائی تکلیف ناداری اور دل آزاری عزیزان اس نیک ذات نے صلاح قوم کے مشن سے منہ نہ موڑا۔ جب مخالفین نے بہت دق کیا تو کہہ دیا ؎

کسی کا بھی نہیں بد خواہ گو سب کے بُرا ہوں میں
خطا کے دیکھنے والے ہنر بھی دیکھتے جاتے (نظامی)

مگر قوم کو دعوت عمل بھی دیتے رہے کہ ؎

دنیا اُمنگ پر ہے مگر تم ہو خواب میں ۔۔۔ اچھی کہی کہ ہم ہیں پُرانے خیال کے

دیگر

مثل مشہور ہے ملتا نہیں بے طلب کچھ بھی ۔۔۔ جب ایسا ہے تو پھر موقوف فریاد و فغاں کیوں ہے

کسی کا فارسی شعر بھی اسی مضمون کا خوب ہے ؎

مباش ذرہ نورِ عشق غافل از طلبید نہا ۔۔۔ کہ در آخر بجائے میرسد از خود رمیدنہا

نظامی صاحب خواہ کسی پبلک پلیٹ فارم پر نظم پڑھتے نظر آئیں یا کسی دربار میں قصیدہ خوانی کرتے خواہ کسی مشاعرے میں ایک غزل خواں کی حیثیت سے ہوں یا نبی خانہ میں منقبت گزار کی شان سے ان کی شاعری میں ایک خصوصیت نمایاں طور پر نظر آئے گی اور یہ وہی قوم سے مخاطبت اور مواعظت۔

۱۹۲۲ء میں مسٹر جنکنس ڈسٹرکٹ جج بدایوں کو اہالیانِ شہر کی جانب سے ایک رخصتی دعوت دی گئی تھی اس جلسہ کے موقعہ پر نظامی صاحب نے جو نظم پڑھی تھی اس کے بیشتر اشعار ایسے ہیں جو جج صاحب کی ایسے تعلق رکھنے کی بجائے حکمراں طبقہ سے زیادہ مخاطبت کرتے ہیں۔ ؎

بنی ہے جان پر کیا چارہ گر بھی دیکھتے جاتے — وہ تاثیرِ علاج بے اثر بھی دیکھتے جاتے
جو پیچھے رہ گئے ہیں تھک کے اُن پر کیا گزرتی ہے — ذرا ای قافلہ والو ادھر بھی دیکھتے جاتے
نہ ہوتے اس قدر رسوا وہ اپنی جلد بازی سے — اگر عجلت پسندی کے ضرر بھی دیکھتے جاتے
اُٹھا کر آنکھ دشمن کو نہ تکتے یہ غرض کب تھی — ادھر بھی دیکھتے جاتے اُدھر بھی دیکھتے جاتے

گزرتی ہے **نظامی** کے دلِ محزوں پہ جو آفت
تمنا تھی اسے اہلِ نظر بھی دیکھتے جاتے

مقطع میں کس بلا کا درد و گداز بھرا ہے۔ حساد جلنے سے مطلب رکھتے ہیں دلسوزی سے انھیں کام نہیں وہ انسان کے ظاہر کو دیکھ کر رشک کرتے ہیں اگر ان کی نظر ایک نو تعمیر مکان کے علاوہ صاحب خانہ کے کلبۂ دل کی ویرانی پر بھی ہو تو جذبۂ عبرت و رحم کے زیر اثر کانپنے لگیں۔ وہ "دل محزوں کی آفت" سے اس لیے واقف نہیں کہ "اہل نظر" نہیں۔ بقول اکبر مرحوم ؎

ظاہری حالت سے مت سمجھو کہ میں راحت میں ہوں
دل میں انگارے بھرے ہیں گو بدن جلتا نہیں

۱۹۲۰ء میں اپنے فرزند محمد احید الدین کی شادی کے مشاعرہ کی طرح پر جو غزل لکھی تھی اس میں بھی سراسر یہی قومی رنگ جھلک رہا ہے ؎

اقبالِ رفتہ حیف کہاں تو چلا گیا | کیا مل گیا کسی کو مصیبت میں ڈال کے
کیوں ہیں قریب ختم زمانے کی ٹھوکریں | ارمان تو بہت ہیں دل پائمال کے

اللہ الصمد کیا دردناک شعر کہا ہے۔ شعر ہے یا فلسفۂ زندگی کا ایک مکمل رسالہ یا المِ نصیبی کی ایک جیتی جاگتی تصویر ہے۔ یہ نظر یہ کبرسنی کا زندہ احساس ہے۔ اور پختہ کاری کا ایک روشن مظاہرہ اکبر مرحوم کہتے ہیں۔ ؎

ہلاتے ہیں زباں جب سخت صدمہ دل پہ سہتے ہیں
جو سُنتا ہے وہ کہتا ہے کہ کہنا اس کو کہتے ہیں

نظامی صاحب انتہائی شدّتِ غم میں محسوس کرتے ہیں کہ اب اس سے زیادہ اُفتاد کیا پڑے گی۔ اب غالباً مصیبت کا خاتمہ ہوگیا۔ اس احساس مسرّت کے ساتھ ہی خیال آتا ہے کہ ناکامی اُمیدوں کی دلیل تھی اور اُمیدیں ابھی ختم نہیں ہوئیں تو ظاہر ہے کہ ابھی ٹھوکریں بھی باقی ہیں۔ اس شکستِ اُمید سے مصیبت اور ہولناک ہوجاتی ہے بقول فانی "آسانی" "مشکل" کو اور المناک کر دیتی ہے ؎

غربت میں سنگ راہ کچھ آسانیاں بھی تھیں | کھاتی ہے ٹھوکریں مری مشکل جگہ جگہ

انسان جتنی تمنا کرتا ہے اتنی ہی تکلیف ہوتی ہے۔ ترکِ تمنا تکلیف کا بہترین علاج ہے۔ ؎

از بال و پر غبارِ تمنا فشاندہ ایم
بر شاخِ گُل گراں نہ بود آشیانِ ما

فانی صاحب فرماتے ہیں۔ ؎

دنیا سے دل میں یاس کی اللہ رے دار و گیر | جو آرزو کہ خلق ہوئی کشتنی ہوئی

عرفی کا بھی یہی مجرب اور آزمودہ نسخہ ہے۔ ؎

چنداں کہ دست و پا زدم آشفتہ تر شدم　　ساکن شدم میانۂ دریا کنار شد

نظامی صاحب نے اس "پائمال" قافیہ کو کیسا آسمان ترقی پر پہونچایا ہے "دلِ پائمال" سے حرماں نصیبی کے ایک طویل سلسلہ کی جانب خیال منتقل ہوتا ہے حقیقت یہ ہے کہ نظامی صاحب نے بڑا دلدوز شعر کہا۔ بقول اکبر مرحوم ؎

دہر نے نشترِ غم دل پہ مرے مارے ہیں　　شعر رنگین نہیں یہ خون کے فوارے ہیں

سنہ ۱۹۲۱ء میں خسرو دکن کی مدح میں حیدرآباد حاضر ہو کر ایک قصیدہ پیش کیا تھا اس کی پوری تشبیب حالت قوم کا ایک دردناک نوحہ ہے ؎

نام تھا اس باغ کا اسلام عہدِ رفتہ میں　　مومنوں کے خون سے سینچے گئے تھے برگ و بار

دیکھ کر اس باغ میں چھائی ہوئی افسردگی　　میرے دل سے صبر رخصت ہو گیا بے اختیار

غنچۂ خاموش کو دیکھا تو حیراں رہ گیا　　چہرۂ گل کی اداسی نے چبھوئے دل میں خار

بالکل سچ کہا ہے ؏ چو دل ملول بود گل بدیدہ خار آید

آہ ایسے عہد میں سرسیدِ اعظم نہیں　　قبر کی آغوش میں سوتے ہیں مہدیؒ وقار

اب تو جتنے خود غرض ہیں رہنمائے قوم ہیں　　لیڈروں میں ہو رہا ہے خود نماؤں کا شمار

اکبر مرحوم نے بھی یہی رونا رویا ہے ؎

گردن رفارمر کی ہر ایک سمت تن گئی　　بگڑی ہو ملک و دین کی اس کی تو بن گئی

یا یہ کہ ؎

رنج لیڈر کو بہت ہیں مگر آرام کے ساتھ　　قوم کے غم میں ڈنر کھاتا ہے حکام کے ساتھ

اس قصیدہ کی گریز کس قدر دل آویز اور فطری ہے ؎

ناگہاں کانوں میں آئی یہ صدائے دل فریب　　کیوں مسلمانوں کی حالت سے ہے تجھ کو انتشار

نخلِ بندِ باغِ ملت آبروئے ملک و قوم
میر عثمان علی خاں ہیں دکن کے تاجدار

غرض کہ دل بہ یار و دست بکار نظامی صاحب کہیں بھی نظر آئیں تصورِ قوم و ملک کسی نہ کسی حیثیت سے ضرور پیش نظر ہوگا۔ ابھی چار سال ہوئے تونبی خانہ میں سالانہ میلاد کے موقع پر ایک نظم پڑھی تھی وہ بھی دیکھئے۔ اسی "دیس کی دھن" میں ہے ؎

اے چارہ گرِ اُمت اے دادرسِ عالم | اے باعثِ جزو و کل اے پرتوِ ربّانی

سرکارِ دو عالم سے یہ تخاطب سائل کے حقیقی جوشِ اخلاص کا پتہ دیتا ہے۔ اس تخاطب کے بعد ہی وہی پُرانا راگ یعنی قوم کا مرثیہ شروع ہو جاتا ہے۔ ؎

اصحاب کا فدیہ ہے مشہور زمانہ میں | تاریخ کی رونق ہے انصار کی قربانی
اب ہم کو دکھاتی ہے نظارۂ حسرت زا | اُجڑی ہوئی بستی میں چھائی ہوئی ویرانی
ہم ایک تماشا ہیں عالم ہے تماشائی | نیرنگیٔ عبرت ہے اندازِ پریشانی
تعلیم کا گھاٹا ہے اور پھوٹ ہے آپس میں | افلاس کا دورہ ہے اور بے سروسامانی

غرض کہ میدانِ فطرت اخلاق و معاشرت مذہب و سیاست ان کی سمندِ طبیعت کا جولانگاہ بنا رہا۔ وادیِ سیاست جیسا کچھ دشوار گزار ہے ظاہر ہے بڑے بڑے ہشیار سیاح اس میں داخل ہو کر اپنے دامن کو کانٹوں سے نہ بچا سکے۔ لیکن اس قیس قوم نے مصلحت اندیشی کا فتویٰ لیکر اس راہِ پُرخطر کو اس خوبی سے طے کیا کہ آبلۂ پا کو "خلشِ خار" اور دستِ جنوں کو "دریدنِ داماں" کا بہت کم شکوہ ہوا۔ اس راستہ پر چلنے والے کو دو خطرے ہوتے ہیں ایک ملک و قوم کی ملامت کے تفنچوں کا دوسرے حکومت کے دار و رسن کا لیکن نظامی نے اپنے آپ کو ایک چالاک مچھلی کی طرح ہمیشہ ان دونوں کانٹوں سے دور رکھا

نہ شاگرد "ڈارون" ہوئے نہ مرید مُلا۔ ؎

ہزار وام سے نکلوں گا ایک جنبش میں | جسے غرور ہو آئے کرے شکار مجھے

ان کی شاعری کی اصل غایت اصلاح قوم اور مطالعہ فطرت ہے۔ جس وقت دوسرے شعرا آپ کو بامِ یار کے نشاط خانوں میں زلف گرہ گیر کے اسیر یا محتسب و ساقی سے مصروف جدال نظر آئیں گے۔ نظامی آپ کو تماشا گاہِ فطرت کا نظارہ کرتے ملیں گے شاعری کی اس صنف میں ان کا حسن تخیل اور قوت بیان ایک خاص امتیازی شان لیے ہوئے ہے۔ اور نہایت وسیع معانی کی حامل ہے۔ مناظرِ قدرت کو دیکھ کر ان کی طبیعت جوش مسرّت سے قابو میں نہیں رہتی "نظارۂ دکن" میں کہتے ہیں۔ ؎

رنگِ نو ہے باغ کی شاخوں پہ تازہ روپ ہے | پھول خرمن میں ہیں پھولوں کے عادل خوشہ چیں
پتیاں ہیں خوبصورت تازہ تازہ میوہ جات | دور ہی سے دیکھتی ہے جن کو چشم نرگسیں
حسن زیبایش پہ ہے قربان پریوں کا سنگھار | طرفہ آرائش پہ ہیں صدقے زمانہ کے حسیں
ہے صبا سرگرمِ شوخی مست موج آبشار | لڑکھڑائے جس طرح نشہ میں کوئی نازنیں

دیکھیے قدرت کے مناظر کو کس طرح سطروں میں جکڑا ہے۔ جذبات ہیں کہ چھلکے پڑتے ہیں لفظ لفظ سے صداقتِ عشق کی بو آتی ہے۔ ہر شعر خلوص الفت کا شاہد ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ نظامی صاحب پر نیچرل رنگ کی کیفیت پورے طور پر طاری ہے۔ ایک ایک پتہ پر کس پیار کی نظریں پڑ رہی ہیں۔ ہر شعر زبانِ حال سے کہتا ہے کہ نظامی شاہدِ فطرت کے سچے دلدادہ اور اس خصوص میں نمایاں طور پر ممتاز ہیں۔ کیوں نہ ہو بقول حیاتی کاشی ؎

من نہ آنم کہ دو صد مصرعہ رنگیں گویم | مثل فرہادیکے گویم و شیریں گویم

---

(۸۶)

(از مولٰنا محمد قمرالحسن صاحب قمر ارشدی حمیدی بدایونی)

صنعت باری تعالےٰ کی پرکیف جلوہ آرائیاں۔ فطری جذبات و احساسات کے حامل اور "الشعراء تلامیذ الرحمٰن" کی تعریف میں شامل انسان کو جب کچھ کہنے پر مجبور کرتی ہیں تو وہ اپنی مترنم قوتِ کلام کی وجد آور تحریک سے سامعہ نواز شعر کہتا ہے اس اعتبار سے شاعری کے دلکش نغمے اور روح پرور ترانے جو دنیائے حسن و عشق اور فضائے راز و نیاز سے لیکر ہر سماعتِ منتظر کی خلوت گاہ ناز تک گونجتے سنائی دیتے ہیں۔ صدقہ ہیں اس استعداد خداداد کا جو حُسنِ کلام و حسنِ سماعت کے درمیان وجہ تعارف ہو کر سلسلہ جنباں ہے۔ اس خداداد استعداد اور اس کی سلسلہ جنبانی کے فیض عام کی بدولت جس طرح ہندوستان کے ہر مردم خیز طبقے میں حُسنِ کلام کی دلچسپ روایات کے ساتھ یہ نوحہ خوانی بھی ناگزیر ہے کہ "بس نامور کہ زیر زمیں دفن کردہ اند کز ہستیش بروئے زمیں یک نشاں نماند" اسی طرح بدایوں کو صدہا باکمال ہستیوں پر فخر کرنے کے ساتھ یہ کہہ کر رونا بھی پڑتا ہے کہ اس کے کثیر التعداد قابل فرزندوں کے بے مثل کارنامے انھیں کے ساتھ دفن ہو گئے۔ اور جو باقی ہیں ان کی تفصیل اس شعر کے مفہوم سے زیادہ وسعت نہیں رکھتی ؎

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں   خاک میں کیا صورتیں ہوں گی جو پنہاں ہو گئیں

بدایوں ایک قدیم تاریخی شہر ہے اور جس طرح اولیائے کرام[1] کا مولد و مدفن ہونے کی بنا پر ایک امتیاز رکھتا ہے اسی طرح علمائے عظام مصنفین واجب الاحترام اور شعرائے شیریں کلام پر بھی بجا فخر کر سکتا ہے لیکن اس موقع پر صرف شاعروں کا تذکرہ مقصود ہے۔

یہ امر کچھ کم قابلِ افسوس نہیں ہے کہ شعرائے بدایوں کا بہت سا کلام صفحۂ ادب سے حرفِ غلط کی طرح مٹ گیا اور جو باقی رہ گیا ہے وہ اگر طبع ہو جائے تو ضایع شدہ کلام کے سوگواروں کی اشک شوئی کے لیے کسی حد تک کافی ہو سکتا ہے مگر اس کے طبع ہونے کی اُمید تو درکنار قلمی مسودوں کی صورت میں بھی اس کا محفوظ رہنا دشوار معلوم ہوتا ہے "تجلیاتِ سخن"، کا بھی جس کو میں آج قدر شناسانِ اُردو سے روشناس کرانا چاہتا ہوں نظامی صاحب کی بے پروائی یا منکسر المزاجی سے یہی حشر ہوتا۔ مگر خدا بھلا کرے مولوی ہیبت احمد صاحب فرشوری کا جنھوں نے ملازمت سرکاری سے سبکدوش ہونے کے بعد پہلا کام یہی کیا کہ نظامی صاحب کو جن سے ان کے برادرانہ تعلقات ہیں اس بات پر مجبور کیا کہ وہ ان کو اپنا کلام جمع کرنے کا موقع دیں۔ مولوی صاحب موصوف کے اصرار پر نظامی صاحب کو اس کے سوا کہ اُن کی فرمایش کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیں اور کچھ چارہ نہ تھا۔ چنانچہ مولوی صاحب نے اس جستجو میں اخبار ذوالقرنین کے فائل ٹٹولے اور اس طرح کچھ کلام جمع کر لیا۔ بعض نظمیں نظامی صاحب کی تالیفات "سیاحت و لیعہد" "بدایوں قدیم و جدید" "گلدستۂ دکن" کے صفحات میں ملیں۔ سب سے آخری کوشش مولوی صاحب موصوف نے یہ کی کہ نظامی صاحب کے منتشر مسودوں پر دسترس حاصل کر کے بعض غیر مطبوعہ غزلوں اور نظموں کا

---

[1] اولیائے کرام کے حالات "تذکرۃ الصلحا اور "تذکرۃ الواصلین وغیرہ کتب میں شایع ہو چکے ہیں جن کا خلاصہ "بدایوں قدیم و جدید" میں مولنا نظامی بدایونی نے لکھا ہے۔ یہ کتاب سنہ ۱۹۲۰ء میں نظامی پریس بدایوں سے شایع ہوئی ہے۔

سُراغ لگایا اور اس طرح "تجلیاتِ سخن" کا مجموعہ تیار کر لیا۔

مجموعہ ہٰذا کی تکمیل قریب ختم ہی تھی کہ میں ایک سالہ قیام کے بعد دہلی سے بدایوں آیا۔ مولوی ہبہ احمد صاحب نے اس کی ترتیب کے متعلق مجھ سے مشورہ کیا اور ساتھ ہی یہ فرمائش کی کہ میں اس کا مقدمہ بھی لکھوں۔

اس سے قبل کہ میں ایک مقدمہ نگار کی حیثیت سے نظامی صاحب کے اس کلام کا ناظرین سے تعارف کراؤں یہ ظاہر کر دینا چاہتا ہوں کہ بدایوں کی خاک پاک نے کیسے کیسے نامور شاعر پیدا کیے تھے جن میں بیشتر ایسے ہیں کہ اُن کے کلام کا نمونہ صفحۂ قرطاس کی بجائے علم سینہ بسینہ کی طرح صرف بعض شعر دوست اور سخن سنج حضرات کے حافظہ میں محفوظ رہ گیا ہے اور اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ نمونتاً اس مقدمہ کے دامن شوق میں بدایوں کے مرحوم شعرا کی یاد تازہ کرنے کے لیے وہ گلہائے رنگا رنگ بھی بھر دیئے جائیں۔ جو ان کے گلزار کمال کی یادگار رہیں۔

اس سلسلے میں یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ اگر خدا کو منظور ہے تو شعراء بدایوں کا ایک مکمل تذکرہ بھی کسی آئندہ موقعہ پر نذر ناظرین ہو گا سخن دوست اہل وطن شعراء مرحوم کے مزید کلام اور حالات بھیجکر اپنے وطن کی عزت اور شہرت پر احسان کریں اور اس خادم کو ممنون فرمائیں۔

مرحوم شعراء بدایوں میں بعض حضرات کا کلام زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکا ہے مثلاً حضرت ملا عبدالقادر قادری مورخ رحمۃ اللہ علیہ کا اکثر کلام جو نجات الرشید وغیرہ کتب میں شایع ہو گیا۔ حضرت مولانا شاہ سلامت اللہ کشفی رحمۃ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام۔ اور فارسی کا دیوان، مولوی جمال الدین حسن المتخلص بہ حسنؔ کا مسدس "شبیہ احمدی"۔ مولوی شفاعت اللہ

شفاعت کی مثنوی ترانۂ غرائب (جس میں فسانۂ عجائب کو نظم کیا ہے) اور منظوم مظہر
مولانا قاضی عبدالسلام عباسی کی تفسیر منظوم "زاد الآخرۃ"، حضرت مولانا مولوی فضل رسول
مست رحمۃ اللہ علیہ کا میلاد منظوم۔ مولوی مبارک اللہ صاحب مبارک کا فارسی کا دیوان
منقبت (ان کا کلام اردو اور بھاشا میں بھی مرتب تھا) مولوی وزیر محمد وزیر کی مثنوی
گنج عیب شرعی۔ قاضی غلام مولیٰ نور بدایونی قاضی انوپ شہر کی منقبت غوثیہ اور نور نامہ فارسی
چودھری اصغر علی ضابطہ کا دیوان۔ مولوی رحمت علی ذکا کا قصیدہ نعت اور نصاب مثلث
حضرت مولانا شاہ دلدار علی مذاق رحمۃ اللہ علیہ کی کلیات۔ چودھری سعید الدین حسین سعید
کا مسدس سعید اور ہدیہ سعید۔ حضرت مولانا مولوی محمد عبدالقادر صاحب فقیر قادری
رحمۃ اللہ علیہ کا دیوان منقبت۔ خان بہادر مولوی حامد بخش حامد کے چار نعتیہ دیوان منشی
دیبی پرشاد سحر کا دیوان سحر سامری۔ معیار بلاغت مع دیگر تصنیفات۔ منشی بزائندراس شاکر
کا دیوان۔ مولوی عنایت حسین عنایت کا دیوان غنچۂ مراد اور مثنوی مراۃ حیرت۔ قاضی
عبدالحق صادق کا نعتیہ دیوان۔ قاضی ریاض الدین ریاض کا نعتیہ دیوان۔ مولوی
احمد حسن وحشت کا مجموعہ نعت "ثمر بہشت" مولوی عطاء اللہ عیاں کا دیوان۔ منشی شنکر دیال ملک
کا واسوخت۔ شیخ حکیم احمد جان وقر شیخوپوری کا وظیفہ وقر۔ ماتم حسین۔ مناقب غوثیہ اور بارہ ماسہ
عرشی (ابتدا میں عرشی تخلص فرماتے تھے) منشی ذوقی رام ذوقی کا دیوان۔ منشی بانکے لال نادر
کا دیوان۔ شیخ انوار حسین تسلیم سہسوانی کا کچھ کلام۔ حاجی عرفان علی عرفان کا دیوان۔ منشی
گھسو خاں فریاد کا گلدستۂ فریاد۔ منشی رام سہائے تسلیم کا دیوان۔ منشی رام دیال رسا کا ایک
دیوان اور واسوخت۔ قاضی عنایت رضا المتخلص بہ رضا کا جواب شکوہ اور دیگر نظمیں جو
اخبار ذوالقرنین بدایوں میں شائع ہوئیں۔ شیخ اعجاز الدین زور کا مجموعہ مناقب۔ شیخ

محمود حسین جلیل کا مولود شریف "باغ رسول" شیخ سلیم اللہ تسلیم کا آبِ کوثر، چشمۂ کوثر، موجِ کوثر
مخمسات سلیم۔ منشی گیندن لال گوہر کا دیوان اور پنجہ گوہریں وغیرہ۔ مولوی افتخار الدین شہود
کا دیوان۔ مولوی عبدالحی صفا کا تذکرہ شمیم سخن اور تذکرہ مذاق سخن۔ مولوی عبدالحی بیخود
کی کلیات۔ مراۃ الخیال۔ حکیم التقاب حسین کشش کا نعتیہ دیوان۔ حاجی غلام مشہود مضطر کے ۲ دو
نعتیہ دیوان جذبات مضطر اور ذوقِ نعت۔ امجد الافاضل مولوی علی امجد حسین امجد کے
۲ دو دیوان فارسی اور تین دیوان اردو مع دیگر تصنیفات۔ پنڈت دھرم نراین حضرت
کا دیوان۔ مولوی رضی الدین تنویر کا مرقع نعت اور مدیح پیمبر۔ مندرجہ بالا مطبوعات کے
علاوہ ایسے دیوان بھی موجود ہیں جن کے مصنف اُن کو غیر مطبوعہ صورت میں اپنے ورثا کے
ہاتھوں میں چھوڑ گئے اس زمرہ میں حاجی مولوی علی احمد خاں اسیر۔ خان بہادر حاجی مولوی
رضی الدین بسمل۔ شیخ انوار حسین تسلیم سہسوانی۔ مولوی امتیاز احمد تاثیر۔ مولوی رسول بخش حشر۔ قاضی
حاجی غلام شبر حسرت۔ مولوی رحمت علی ذکا۔ حافظ حکیم مجاہد الدین ذاکر۔ قاضی حاجی عنایت حسین
رنگی و فراق۔ شیخ فضل احمد رسا۔ مولوی انصار حسین زلالی۔ مولوی سدید الدین شایق۔ مولوی
علی بخش خاں شرر۔ مولوی عبدالحی صفا۔ شیخ صابر حسین صبا سہسوانی۔ سید اکبر حسن صولت۔
مولوی راشد علی ضیا۔ مولوی سراج الحق عشق۔ مولوی غلام شاہد فدا۔ شیخ فاخر حسین فاخر
سہسوانی۔ مولوی افضل الدین قیس۔ مولوی ابرار الحق کیف۔ مولوی اکرام اللہ محشر۔ مولوی
محمد متین متین۔ مولوی شفیع احمد محو۔ طوطی ہند نواب ظہور اللہ خاں نوا۔ مولوی اشرف علی
نفیس۔ مولوی غنی رضا وحشی۔ مولوی احمد حسن وحشت۔ مولوی غلام غوث وجد مرحومین جیسے
نامور شعرائے مرحوم کا نام لیا جاسکتا ہے۔

یہ سب کلام اور ان کے علاوہ دیگر مرحوم شعرائے بدایوں کا کلام جو ان کے ورثا یا

دیگر سخن دوست حضرات کے پاس موجود ہی اس کے محفوظ رہنے کی میرے خیال میں صرف یہی صورت ممکن ہو کہ وہ اس کو ممنون طباعت کریں یا کسی پبلک لائبریری میں اصل یا اس کی نقل اپنی طرف سے داخل کر دیں

ذیل کی جدول میں ایسے شعرا مرحوم کی فہرست دی جاتی ہی جن کا کلام علم سینہ ہو کر رہ گیا یا اگر صفحہ قرطاس پہ موجود ہی تو وہ کسی صندوق میں مقفل اور شائقین کی دسترس سے باہر ہی۔ اس فہرست میں ہر شاعر کا کلام بطور نمونہ دیا گیا ہی اور جہاں تک معلوم ہو سکا ہی نشان سکونت و تلمذ و تاریخ وفات بھی لکھدی ہی۔ جملہ محلہ جات مندرجہ خانہ سکونت شہر بدایوں کے ہیں۔
اس فہرست میں ہر شاعر کا تخلص بہ ترتیب حروف تہجی درج کیا گیا ہی تاکہ تلاش میں آسانی ہو

تخلص	تلمذ	نام و سکونت	وفات	کلام
اثر	مذاق بدایونی	قاضی حب حسن حمیدی ولد قاضی غلام شبیر ساکن قاضی ٹولہ	سنہ ۱۳۲۹ھ م قریب ۱۹۱۱ء	آگیا کیسے فریب پیرہن میں تو اثر ہو گیا دست جنوں کیوں نامہ شکار آستیں جس سے دل ٹھنڈا تھا پہلے اس سے اب جی سرد ہی جو دوائے درد تھی اب وہ ہی جی کا درد ہی
اثر	حسن بدایونی	مولوی محمد حسن ولد منشی عظمت علی منصف حمیدی ساکن قاضی ٹولہ	سنہ ۱۳۴۲ھ ۱۴ ذیقعدہ م مئی ۱۹۲۴ء	ہوا برباد میرا دل تو یہ نقصان کس کا ہی تمھیں سمجھو تمھیں دیکھو کہ اس میں کون ہنستا ہی کوئی پرساں نہ ہو تو مرنے والے کیا کریں جی کر خدا رکھے انھیں سارا زمانہ جن پہ مرتا ہی
ادیب	مذاق	منشی عظیم الدین وکیل ولد شیخ رحیم الدین ساکن قاضی ٹولہ	سنہ ۱۳۱۶ھ م سنہ ۱۸۹۹ء	کب وصف افشانی ہی بھلا جو ہر ذاتی بڑھتی ہی کہاں قدر صدف آب گہر سے

تخلص	تلمذ	نام وسکونت	وفات سنہ	کلام
آزاد[۴]	ذوق	خانصاحب محمد علی خاں ولد قادر خاں ساکن چاہ میر	بجنسہ ۱۲۷۶ھ م ۱۸۵۹ء	خلعت برہنگی کا جو بخشا بہار نے دست جنوں لگے مرے کپڑے اتارنے شہرہ ترے وحشی کا ہر گھر گھر کئی دن سے کوٹھوں پہ چڑھے جاتے ہیں پتھر کئی دن سے
اسحاق[۵]		مولوی حکیم محمد اسحٰق ولد مولوی مبارز الدین ساکن سوتھ		آغوش میں لے رکھیں ای سرور عالم افلاک پہ کرتی ہو زمیں ناز شب و روز
اسیر[۶]	امجد	مولوی حاجی علی احمد خاں ساکن محلہ چاہ نونی	۳۰ محرم ۱۳۴۳ھ ۱۹ جولائی ۱۹۲۴ء	خاک میٹھوں میں غبار سر تربت بن کر وہ نہ آئیں کبھی تا حشر قیامت بن کر الجھ کر رہ گیا ہوں وادی طیبہ کے خاروں سے مجھے پہونچا دیا ہو ضعف تن نے منزل جاں تک
اشکت[۷]	مذاق	مولوی محمود رضا ولد مولوی احمد رضا حمیدی ساکن قاضی ٹولہ	۱۸ صفر ۱۳۳۷ھ م ۲۲ مارچ ۱۹۱۹ء	ہوائے وصل۔ آب اشک۔ نار ہجر۔ خاک غم خمیر ان چار عنصر سے مرکب ہو مرے تن کا ہم نے اللہ کے کہنے سے تو چھوڑی نہ شراب محتسب ہوش کی پی تیری حقیقت کیا ہو
اعلیٰ[۸]		منشی اعلیٰ حسین ولد مولوی الہام اللہ حمیدی ساکن قاضی ٹولہ	۱۰ ... ۱۳۲۸ھ ۱۹۱۰ء	اک نام کر دیا ہو بلند آفتاب کا خاکہ ہو اس حسین کے رخ لاجواب کا وہ کہتے ہیں پس مردن ہلا کر مرے شانے کو اُٹھ ای قربان جانے والے پھر قربان جانے کو

نمبر و تخلص	تلمذ	نام و سکونت	وفات	کلام
۹ افضل		مولوی محمد افضل عثمانی مصنف ہدایت المخلوق ساکن مولوی ٹولہ		خیالِ کعبہ و دیرم نباشد جبہ سائی را زخاکِ نقشِ نعلینش سرے کردہ ام پیدا زظلمت خانۂ گورم نباشد ہیچ غم افضل کہ از نورِ خدا مہرِ منیرے کردہ ام پیدا
۱۰ الہام	شفاعت	مولوی الہام اللہ ولد مولوی شفاعت اللہ حمیدی ساکن قاضی ٹولہ	۱۳۲۳ھ ۱۹۰۵ء	جھنکاتا ہے کنوئیں چاہِ زنخداں کے تصور میں مرے پہلو میں دشمن ہو اسے دل کون کہتا ہے یہ ہے شانِ خدا ہندو کو شوقِ حفظِ قرآں ہے تمھارے مصحفِ رخسار پر تِل کون کہتا ہے
۱۱ اعجاز		سید عبد العلی ساکن سہسوان ضلع بدایوں در صنعت قطع الحروف		سینہ شق ہو سے نو جو پیکاں سر ہو عشق کی دل پہ وہ مصیبت ہے
۱۲ آہ		چودھری فصاحت اللہ ولد چودھری یاد علی ساکن عارف پور نوادہ	—	ہمیں سے تو کرتے ہیں اظہارِ الفت ہمارے ہی سر کی قسم کھا رہے ہیں
۱۳ باقر		مولوی جلال الدین ولد مولوی مستجاب الدین متولی ساکن محلہ سوتھہ	۱۲۷۲ھ ۱۸۵۵ء	ہمہ تن ضعف ہو گیا باقر وہ جمال اور وہ جلال کہاں باقر وہ باغِ شعر و سخن اب کہاں ہمیں وہ ولولہ وہ جوشِ طبیعت نہیں رہا
۱۴ برق	امجد و مذاق	حاجی ارشاد حسین ولد مولوی حسن بخش حمیدی ساکن قاضی ٹولہ	۱۸ ذی قعدہ ۱۳۴۳ھ ۸ جون ۱۹۲۶ء	مارا غمزے سے تو ٹھوکر سے جلایا سو بار حوصلے پست کیے خوب قضا کے تم نے

تخلص	تلمذ	نام و سکونت	وفات	کلام
۱۴				ازل سے سنتا تھا جس کا یہ بے رخی اس کی اکیلا چھوڑ کے جاتی ہے جانِ زار مجھے
۱۵ بسمل	مذاق و ناطق بدایونی	خان بہادر حاجی مولوی صفی الدین ولد مولوی حکیم سعید الدین کاکل فرشوری ساکن فرشوری ٹولہ	۴ رمضان ۱۳۴۳ھ ۱۵ اپریل ۱۹۲۵ء	جل بے بے مہری کہ مرنا سن کے میرا اُف نہ کی اور کہا تو یہ کہا "اچھا ہوا اچھا ہوا" یوں خاک میں ظالم ملا اس کو ابھی سے ای پیرِ فلک بسمل دل ریش جواں ہے
۱۶ بسمل	امیر مینائی	منشی افضال احمد ولد مولوی شفیع احمد محو ساکن قاضی ٹولہ	۱۹ رمضان ۱۳۳۶ھ ۲۹ جون ۱۹۱۸ء	میں نے اپنا جامۂ ہستی حوالے کر دیا شرم آئی دیکھ کر خنجر کی عریانی مجھے خود فراموشی کا باعث ہے شناسی ہے تیری کھو گیا وہ آپ جو تیرا آشنا سا ہو گیا
۱۷ بندہ	رفعت پیلی بھیتی ثم رامپوری	شیخ حفیظ اللہ ولد شیخ کرامت اللہ عباسی بدایونی آخر میں موضع ستورا تحصیل بلاسپور علاقہ ریاست رامپور میں چلے گئے تھے	۱۶ جمادی الآخر ۱۲۷۷ھ سنہ ۱۸۶۰ء	کیا نظر لگ گئی رقیبوں کی مجھ پہ وہ آپ کی نظر ہی نہیں نوک مژہ پہ اشک نہیں مردمانِ چشم موتی پرو رہے ہیں ترے ہار کے لیے
۱۸ بیتاب	بیدار دہلوی و مست بدایونی	میاں عبداللہ شاہ برادرزادہ شاہ میر محمدی بیدار اکبرآبادی ثم البدایونی محلہ سوتھہ	۲۲ محرم ۱۲۹۸ھ ۲۵ دسمبر ۱۸۸۰ء	فرقت کے رنج و غم نہ اُٹھایا کریں گے اب چپ ہی رہیں گے لب نہ ہلایا کریں گے اب سب آفتیں زباں کے سبب ہم پہ آئی ہیں کچھ رازِ دل زباں پہ نہ لایا کریں گے اب

تخلص	تلمذ	نام و سکونت	وفات	کلام
ثریا[۲۴]	امجد	منشی عنایت احمد عرف علی جان وکیل ولد شیخ احمد حسین حمیدی ساکن قاضی ٹولہ	۱۲ رمضان ۱۳۳۴ھ ۲۴ فروری ۱۹۱۶ء	کسی ڈھب کوئے قاتل سے ہیں بے دم اپنی جاں لیکر چلا تو جاؤں لیکن جب دل بیمار جانے دے
جلیل[۲۵]	امجد	شیخ محمود حسین ولد شیخ فصیح الدین ساکن مرد ھہ ٹولہ	۲۱ اپریل ۱۹۱۸ء ۱۴ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ	ہماری گریہ وزاری تو دیکھو یہ عین رحمت باری تو دیکھو
جولاں[۲۶]	آفتش	الف خاں عرف الف شاہ ولد نامدار خاں بانی سرائے الف خاں (انتقال آگرہ میں ہوا)	سنہ ۱۲۶۰ھ بعمر ۸۰ سال زندہ تھے	کیا تحریر فرط شوق میں جب نام احمد کا تو کاغذ سبز بختی سے بنا تختہ زبرجد کا معشوق پر بھی ہوتی ہے تاثیر عشق کی چٹکی کلی جو بلبل سوزاں نے آہ کی
جولاں[۲۷]		مولوی قائم علی وکیل ولد مولوی شیر علی ساکن قاضی ٹولہ	۱۹ صفر ۱۲۸۲ھ جون ۱۸۶۵ء	بیاد برق رخسار صنم جولاں تڑپتے ہیں ہمارے خرمن ہستی کو بجلی نے جلایا ہے
جوہر[۲۸]		منشی انبکا پرشاد برادر سحر بدایونی ساکن محلہ قانون گویان (در صنعت مقطع)		آئے اس دم آج وہ دلدار اور آرام روح زاری دل۔ زردی رخ درد دوری دور دور
حاضر[۲۹]	سحر بدایونی	منشی کالکا پرشاد ولد منشی اندر جیت کایستھ ساکن کوچہ پانڈا	۱۰ اپریل ۱۹۱۳ء	تڑپنا برق کا جو آسماں پر شکل بسمل ہے کسی بالے کی بجلی یا کسی بیتاب کا دل ہے نہیں خال سیہ ہے یہ لب رنگین جاناں پر ہوا فرماں روا زنگی کوئی ملک بدخشاں پر
حامد[۳۰]	مذاق	مولوی حامد حسن وکیل ولد مولوی احمد حسن حمیدی ساکن قاضی ٹولہ	۱۸ رمضان ۱۲۹۳ھ مطابق ۷ اکتوبر ۱۸۷۶ء	کیا شرمندہ اس نے اس نے مجھ کو سرخرو یارب بھلا ہو تیغ قاتل کا برا ہو سخت جانی کا

تخلص	تلمذ	نام و سکونت	وفات	کلام
۳۰			۱۷ اکتوبر سنہ ۱۸۷۰ء	گلے ملتے ہی بخشی ہو حیاتِ جاودان مجھ کو سمجھا تھا خنجر قاتل بھی شاید آب حیواں ہیں
۳۱ حسرت	مذاق	قاضی غلام شبر ولد قاضی غلام حیدر حمیدی قاضی ٹولہ بعدہ چاہ مہر	۲۴ ربیع الثانی سنہ ۱۳۴۴ھ ۱۳ اکتوبر سنہ ۱۹۲۶ء	ارنی کس کی نظارے کا تقاضہ کس کا مجھ کو بن دیکھے ہی غش آتے ہیں جلوہ کس کا بے طلب کیونکر نہ ہو حاضر اب بلا بھی لیجئے مدتوں سے حسرت خانہ خراب آنے کو ہے
۳۲ حسن		مفتی ابوالحسن صدر الصدور ولد مفتی سلطان حسن عثمانی بدایونی ثم البریلوی		تری زلف کے ہاتھ جاں بیچتا ہوں میں سودے میں جنسِ گراں بیچتا ہوں صبح در محفلِ آں منبچہ باشکیں من کہ خود رندم و رندانہ روان خم شد
۳۳ حسن		مولوی جمال الدین حسن ڈپٹی کلکٹر ولد مولوی مستجاب الدین متولی ساکن سوتھ	۱۳ صفر سنہ ۱۲۸۳ھ ۲۷ جون سنہ ۱۸۶۶ء	ہی شمع میں اور چہرۂ دلبر میں بہت فرق یہ نور کی تصویر ہے وہ نار کی تصویر فنونِ عشق میں تھا قیس طفلِ ابجد خواں ہمارے فیض سے نوبت فراغ تک پہونچی
۳۴ حشمر		شیخ رسول بخش ولد شیخ محمد مکارم ساکن سوتھ	سنہ ۱۲۷۹ھ سنہ ۱۸۶۲ء	افسوس ہے کہ وہ بھی جہاں سے گزر گیا اب حشمر کہہ کے کس کو پکارا کریں گے ہم کھینچ کر نقشے میں مانی بتِ بے پیر کے ہاتھ چومتا تھا کبھی اپنے کبھی تصویر کے ہاتھ

تخلص	تلمذ	نام وسکونت	وفات	کلام
[35] دردی	کشفی	مفتی محفوظ علی ولد مفتی محمد اسمعیل حمیدی بدایونی قاضی ٹولہ	سنہ ۱۲۵۸ھ سنہ ۱۸۴۲ء	احسانمند ہوں میں دلِ خار خار کا خانہ خراب ہو جیو اس انتظار کا جب ہوگی تو ہوگی زندگانی اب تو ہمیں موت بھی نہیں ہے
[36] ذاکر	فراق لکھنوی شیفتہ دہلوی	ذاکر رسول حکیم حاجی حافظ بابا ہدایت ولد مولوی مبارز الدین متخلص بہ نقیب بانیٔ بنی خانہ سوتھ	سنہ ۱۳۳۴ھ ۲۹ صفر سنہ ۱۹۱۶ء ۴ جنوری	نعت گوئی اور تہی ہو شاعری ہو اور چیز اس میں ہیں اعجاز شہ اس میں بہت الحاد ہیں خود غزل لکھتا ہوں خود پڑھتا ہوں اپنی بزم میں کون سا مداح ہے میری برابر اے نون
[37] ذکا		مولوی رحمت علی ولد مولوی نجف علی حمیدی ساکن قاضی ٹولہ	سنہ ۱۳۰۳ھ ۱۶ ذیقعدہ سنہ ۱۸۸۵ء جولائی	سنگ بر فرقے کہ تسلیم در یارے نبود تیشہ بر پائے کہ نقشِ کوئے دلدارے نبود رساند گر بکاب دل نگاہش قصہ مارا بپا رہ بخشش نثار آرم متاعِ دین و دنیارا
[38] رحمت	گوہر بدایونی	منشی رام لال مختار ولد منشی شب لال کایستھ ساکن کوچہ پانڈا (شعراء ول در صنعت معرب مخصوص بہ صنعہ)		خوب ہو خوب ہو حصول جو ہو گل تو بلبل کو مجھ کو وہ گل رو ملے خزانۂ قاروں تو لوں نہ غم کے عوض کہ ایک داغ جگر دوں نہ سو درم کے عوض
[39] رسا		شیخ فضل احمد ولد شیخ احسان حسین حمیدی ساکن سید باڑہ (باوجود تکمیل زبان کے کلام نہ مل سکا)	سنہ ۱۳۲۳ھ ۲۵ رجب سنہ ۱۹۰۵ء ۲۵ ستمبر	چھٹی ماہ پنجم کی تاریخ تھی عدو کا ہوا سوختہ جان وتن

تخلص	تلمذ	نام وسکونت	وفات	کلام
رسوا		مولانا فیض احمد ولد مولوی حافظ غلام احمد عثمانی ساکن مولوی ٹولہ		رسا ہاتف غیب نے دی ندا کہ پیدا ہوا آج اختر حسین ۱۳۱۹ھ تم جسے چاہو چڑھالو سر پر ورنہ یوں دوش پہ کاکل ٹھہرے
رشکی و فراق		قاضی حاجی عنایت حسین ولد محمد نقی حمیدی ساکن قاضی ٹولہ	۲۰ صفر ۱۳۳۷ھ ۱۲ نومبر ۱۹۱۸ء بعمر ۹۰ سال	پاؤں سے جاتے ہو کوئے یار میں سر اٹھا رکھا ہے کس دن کے لیے دیکھ کر اغیار کو کی آنکھ بند پردے پردے میں اشارا ہو گیا
رضا	مذاق و داغ	قاضی عنایت رضا وکیل ولد قاضی موسی رضا حمیدی ساکن سید باڑہ	۳ ربیع الثانی ۱۳۳۱ھ ۱۲ مارچ ۱۹۱۳ء	کلام دونوں کے ہیں مخالف کسے وہ قاتل بھی کس کا کہنا زبان خنجر کہے ہے بس بس گلو کہے ہے کمی نہ کرنا مڑ مڑ کے وہ کیوں دیکھے ہے پھر نعش رضا کو کیا باقی ہے ظالم کا ارادہ ابھی کچھ اور
رفعت	امجد	مولوی رفعت اللہ ولد مولوی محمد حسین حمیدی ساکن قاضی ٹولہ	.	ہجر ہی موت کہ مدوا ہے بخت وصل جاناں ہے زیست کا باعث اضطراب دل اپنا ہے رفعت شہرت عشق کا ہوا باعث
ریاضی	غالباً مرزا جانجاناں رح	منشی ریاض الدین محمد ولد قاضی عبدالواسع قاضی خانی صدیقی ساکن [illegible]	شروع تیرھویں صدی	تا گشتہ است زلف تو با شانہ آشنا دیوانگی ست باہمہ فرزانہ آشنا

تخلص	تلمذ	نام و سکونت	وفات	کلام
				دلے بکوے تو گم کردہ ایم۔ نامِ خدا تجاہلے نکنی گر ترا خبر باشد
زار ۴۵		مولوی علی داؤد اللہ تحصیلدار۔ ولد مولوی علی ارشد حمیدی ساکن قاضی ٹولہ	۱۲۷۳ھ م ۱۸۵۶ء بعمر یکصد سال	آلودہ خاک سے کیا دامن نگار کا کیا تنگ حوصلہ تھا ہمارے غبار کا مدفن پہ اپنے شمع کی کب احتیاج ہے ہر داغِ دل چراغ ہمارے مزار کا
زاہد ۴۶		مولٰنا شمس الدین المخاطب جھجارخاں ولد مولٰنا شیخ سعد اللہ قریشی ساکن سوتہ	۹ ذی الحجہ ۹۹۰ھ دسمبر ۱۵۸۲ء	کنگرۂ سین چوں خنداں شدہ خندۂ او از بُنِ دنداں شدہ
زلالی ۴۷	وحشت بدایونی و مولٰنا حالی	مولوی انصار حسین وکیل ولد مولوی ہنر حسین مختار۔ حمیدی ساکن بیدوں ٹولہ	۱۷ ذی الحجہ ۱۳۴۲ھ ۲۱ جولائی ۱۹۲۴ء	مذاق بے خودی سے اس نے مجھ کو بے خبر جانا ذرا سی نشۂ صہبائے ہشیاری اُتر جانا ترقی پر بھی یہ ہوگا نہ اس رخ کے مقابل کا بڑھے گا چودھویں تک اور وہ ماہ کامل کا
عشق ۴۸	رسوا	مولٰنا سراج الحق ولد مولٰنا فیض احمد رسوا عثمانی ساکن مولوی ٹولہ	۲۰ رمضان ۱۳۲۲ھ ۲۹ نومبر ۱۹۰۴ء	تشنۂ دیدار ہوں میں جاں بلب شربتِ دیدار پلا دے مجھے
سعادت		شیخ سعادت اللہ ولد شیخ محمد واصل ساکن سید باڑہ		ہر کہ در عشق بتی چشم ترے میدارد او بصد لطف بحالش نظرے میدارد شاخ ہر نخلِ محبت ثمرے میدارد اے سعادت بخیالش اثرے میدارد

تخلص	تلمذ	نام وسکونت	وفات	کلام
سعید۴۹	ماناؔ	چودھری صبا الدین حسین ولد چودھری تفضل حسین رئیس کھیڑہ بزرگ	۱۰ ربیع الاول ۱۳۱۶ھ ۲۱ رجب ۱۸۹۷ء	گویا کہ نقشِ حُب مرا تعویذِ قبر ہے وہ فاتحہ کو آئے ہیں تسخیر دیکھیے جہاں کے آئنہ رویوں سے الفت غائبانہ ہے ہمارے طوطیِ دل کا حلب میں آشیانہ ہے
شاطر۵۱		مولوی ضیا احمد وکیل ولد مولوی حکیم نیاز احمد متولی ساکن سوتھہ	۲۲ ذی الحجہ ۱۳۲۸ھ ۵ جنوری ۱۹۱۱ء	ٹھنڈا کریں گے مست ترے دن حساب کے دے دے کے آفتاب کو چھینٹے شراب کے بھر دے تو ساقیا مرے پیالے کو بنگ سے گاڑھی چھنے گی آج کسی سبزہ رنگ سے
شاعر۵۲		مولوی بر احسین وکیل ولد مولوی ہر ہر حسین حمیدی ساکن سید باڑہ		زیادہ اس سے شاعر خونبہا عاشق کا کیا ہو گا ہمارا سر تڑپ کر جا پڑا قاتل کے دامن پر
شائق۵۳	افضل لکھنوی	مولوی سدید الدین ولد مولوی صبیح الدین عباسی ساکن چاہ میر	۲۷ رجب ۱۳۲۳ھ ۲۲ ستمبر ۱۹۰۵ء	غضب کی بات ہے اغیار بھی مرنے لگے اُن پر اجل حصہ ہمارا ہے نصیبِ دشمناں کیوں ہو دستِ سفاک جو دم بھر ٹھہرے دیدہ بازی تہِ خنجر ٹھہرے
شرر۵۴		مولوی حاجی علی بخش خاں صدر اعلے ولد مولوی سلطان بخش ساکن محلہ سوتھہ	سنہ ۱۳۰۲ھ سنہ ۱۸۸۴ء	رقیبوں کے گھر آنا جانا بُرا ہے تم اچھے سہی پر زمانہ بُرا ہے جلوہ ہے لبِ بام جو اس رشکِ پری کا خورشید پہ عالم ہے چراغِ سحری کا

تخلص	تلمذ	نام وسکونت		کلام
شعلہ ۵۵		پنڈت نراین داس عرف اسری ساکن چوبے محلہ	سنہ ۱۹۰۹ء	رہوں گا جب نالاں ترے نہ مانگوں گا کبھی بوسہ دہن اس کے نہیں ہے اس کے عاشق کے زباں کہیں ہو ہماری آہ وگریہ سے یہ ہو قایم جہاں ورنہ زمیں پانی پہ کیوں ہو اور زمیں پر آسماں کیوں ہو
شفاعت ۵۶	نوا	مولوی شفاعت اللہ ولد شیخ سخاوت اللہ حمیدی ساکن قاضی ٹولہ	سنہ ۱۲۸۵ھ بعمر ۵۰ سال	عکس لب سے تنہا کا موتی لعل احمر ہو گیا ہنس دیا وہ گل تو پھر گوہر کا گوہر ہو گیا میں تیرے لیئے یار جو رسوا نہیں ہوتا عالم میں ترے حسن کا شہرا نہیں ہوتا
صبا ۵۷	گلشن مرادآبادی	منشی صابر حسین ولد منشی حشام الدین محمد صدیقی ساکن سہسوان ضلع بدایوں	سنہ ۱۳۰۹ھ ۱۷ رمضان	اغیار سے خالی ہو شب وصل کی خلوت اندیشہ نہ دل میں ہو نہ آنکھوں میں حیا ہو مرے شوق شہادت کو عبث بدنام کرتے ہیں مجھے کھینچے لیئے جاتی ہے مٹی کوے قاتل کی
صبر ۵۸		منشی باسدیو سہاے ولد منشی الفت رائے کایستھ ساکن چکلہ نیب	سنہ ۱۹۲۲ء	اشارہ جب کبھی پاتی ہے عرض حال کرتی ہے غضب ہے آپ کے ایما پہ چلتی ہے زباں میری
صفا	مذاق	مولوی عبدالحی وکیل ولد مولوی نفیس الدین متولی ساکن سید باڑہ	سنہ ۱۳۳۲ھ ۱۶ رمضان ۹ اگست ۱۹۱۴ء	ہو جائے گا ثبوت دہن وقت عرض حال آخر وہ کچھ نہ کچھ تو کہیں گے جواب میں اس لیے آنکھ سے دیکھا نہ دل زار کا حال کہ دکھاتے نہیں بیمار کو بیمار کا حال

تخلص	تلمذ	نام و سکونت	وفات	کلام
صفیر [60]		مولوی علی صفی اللہ ولد مولوی علی اشرف حمیدی ساکن قاضی ٹولہ	۱۲۵۰ھ ۹۰ سال ۱۸۳۴ء	بہارِ باغ گو فصلِ خزاں میں صاف فانی ہے گلِ باغِ دلِ بلبل گلستاں کی نشانی ہے
صولت [61]	مذاق	سید اکبر حسن ولد سید دولت علی نقوی ساکن سید باڑہ (بعد کو بریلی چلے گئے)		ہیں گلشنِ ہستی میں خزاں دیدہ شجر ہم کیا ڈالے نظر کوئی نہ گل ہیں نہ ثمر ہم اک عمر میں شبِ وصل کی دکھلائی ہے یارب یہ رات تو ایسی ہو کہ دیکھیں نہ سحر ہم
ضو [62]	منیر شکوہ آبادی	منشی فضل علی ولد منشی ہادی علی حمیدی ساکن قاضی ٹولہ	۱۳۳۹ھ ۲۱ ستمبر ۱۹۲۰ء	بے وفا آشنا نہیں ہوتا آشنا بے وفا نہیں ہوتا
ضیا [63]	منیر شکوہ آبادی	مولوی اشد علی وکیل ولد مولوی اشرف علی نقیب حمیدی ساکن قاضی ٹولہ	۱۳۰۸ھ ۱۱ جمادی الثانی ۱۸۹۱ء ۲ فروری	معالجِ مرضِ دل ہے تل ہتھیلی کا مرے مسیح کی مٹھی میں ہے شفا میری مجھ کو تم سے عشقِ خاص اور تم کو سب پر لطفِ عام میں تمھارے واسطے ہوں تم زمانے کے لیے
عاصی [64]	مذاق	مولوی حافظ معز علی ولد مولوی مکرم علی حمیدی ساکن مولوی ٹولہ	۱۳۳۴ھ ۲۸ محرم ۱۹۱۶ء	ساغر میں مے تو مے میں ہے عکسِ رُخِ صنم مہتاب میں ہے لطف عجب آفتاب کا خدا کی ہے قدرت ہو واہ واہ یہ صورت تمھاری تمھاری نگاہ
عزیز [65]	غالب دہلوی	مولوی عزیز الدین منصف ولد مولوی اساس الدین فرشوری	۱۳۱۱ھ ۱۶ جمادی الآخر ۱۸۹۳ء	قاتل جو اپنا ہے وہی اب سوگوار ہے اس موت پر حیات فدا جاں نثار ہے

تخلص	تلمذ	نام وسکونت	وفات	کلام
				ہماری آتش شوق اور بھڑکی چلے جس وقت وہ دامن اُٹھا کے
عطا ۶۶	قمر بدایونی	قاضی عطاء الرحمن ولد قاضی حسن اشرف حمیدی ساکن سید باڑہ	سنہ ۱۳۴۲ھ ۱۱ جمادی الاول سنہ ۱۹۲۳ء ۱۱ نومبر	چھوڑو مجھے خدا پہ نہ فکر دوا کرو بس اب دعا کا وقت ہے تم بھی دعا کرو کلیجہ منہ کو آتا ہے عطا اظہار غم کرتے اگر یہ جانتے ہوتے تو الفت ہی نہ ہم کرتے
عطر ۶۷		حکیم معطر حسین ولد حکیم فخر الدین حمیدی ساکن قاضی ٹولہ	سنہ ۱۳۲۷ھ سنہ ۱۹۰۹ء	کہتا ہے ان کے رخ کا پسینہ غرور سے اے عطر اس طرف سے کچھ تم ادھر سے ہم
غم ۶۸		منشی چھوٹے لال ساکن چوپے محلہ (رو صنعت معرب مخصوص کیسرہ)		دل ملے جلنے کہ جنس انس ہیں تیری تیغ عشق نے بسمل کیے
فاخر ۶۹	منیر	منشی فاخر حسین ولد منشی محمد احتشام الدین صدیقی ساکن سہسوان ضلع بدایوں	سنہ ۱۳۳۵ھ ۲۱ رجب سنہ ۱۹۱۷ء	ذہن میں کام کی رکھی نہ لکنت نے زباں میری غضب ہے خواب گونگے کا ہوئی ہے داستاں میری کڑی سہتا ہوں اس امید پر دن اے زنداں میں بڑھیں گے طوق جب ان کے کٹیں گی بیڑیاں میری
فخر ۷۰	امجد	شیخ افتخار الدین ولد شیخ فصیح الدین ساکن شہباز پور		دل میں عشق بتاں سمایا ہے جان و ایماں کا اب خدا حافظ حنا کہتی ہے یاد آتی ہے جب پیری جوانوں کی کبھی ہم سر پہ چڑھائیں گے ابھی پیروں سے ملتے ہیں

تخلص	تلمذ	نام وسکونت	وفات	کلام
فدا	رسوا	مولوی غلام شاہد ولد مبارز الدین ساکن سوتھہ		سینہ و دل ہی شرارِ تپِ ہجراں سے کباب جوش گریہ پہ غضب دیدۂ خونبار ہے آج تپِ فرقت نے کیا مجھ کو سراپا آتش غمِ جاناں میں مری جان گرفتار ہے آج
فریدی	مذاق	مولوی اعتقاد اللہ ولد شیخ عزیز اللہ فاروقی ساکن چاہ میر		میسر جو نہ ہو دیدارِ جاناں دیر و کعبہ میں مریدِ شیخ کیوں ہو پیرو پیرِ مغاں کیوں ہو ہلکا نظروں میں رندوں پر ہوا بھاری زاہد خالی شیشے کی طرح رند اٹھانے آئے
فضل		مولوی فضل حسن ولد مولوی علی خلیل اللہ حمیدی ساکن محلہ قاضی ٹولہ	سنہ ۱۳۱۴ھ ۱۸۹۹ء	فضلِ خدا سے فضل کو سب زیب زیبا ہے فضل حسین لائقِ فضلِ حسین ہے
نگار		مولوی محمد حسن ولد مولوی مبارک اللہ منصف حمیدی ساکن قاضی ٹولہ	۲۱ رجب سنہ ۱۳۳۹ھ یکم اپریل سنہ ۱۹۲۱ء	دیکھنا جلوہ سنبھل کر اس رُخِ پُر نور کا حضرتِ موسےٰ کہیں دھوکا نہ کھانا طور کا آفتابِ روزِ محشر جس کو کہتے ہیں نگار ایک چھالا ہے ہمارے زخم کے ناسور کا
قادری		ملا عبد القادر مورخ بدایونی	سنہ ۱۰۰۴ھ ۱۵۹۵ء	(ضمیمہ صفحہ ۱۵ پر ملاحظہ ہو)
		حضرت مولانا عبد المقتدر رحمۃ اللہ علیہ		تتمہ فہرست ہذا صفحہ ۶۲ پر ملاحظہ ہو
قربان		مولوی قربان حسن خاں ہنر نواز بدایونی حمیدی ساکن قاضی ٹولہ	۱۴ ربیع الاول سنہ ۱۳۰۸ھ ۲۹ اکتوبر سنہ ۱۸۹۰ء	یوسف وشوں کے حسن سے ہر کوچہ مصر ہے آباد ہیں بداؤں میں کنعاں نئے نئے

تخلص	تلمذ	نام و سکونت	وفات	کلام
قمرؔ	مذاق	قاضی قمر الاسلام ولد قاضی عبد السلام عباسی ساکن چاہ میر	۱۳۲۴ھ م ۱۹۰۶ء	یہی کھٹکا ہے جان جانے سے غیر لگ جائیں گے ٹھکانے سے ہر خزاں میں بھی فصل گل کی بہار زرد پتے بہار کرتے ہیں
قیسؔ		مولوی فضل الدین ولد مولوی محمد یوسف عباسی ساکن چاہ میر	۱۲۶۸ھ ۱۸۵۱ء	جنوں پسند مجھے چھانو ہے ببولوں کی عجب بہار ہے ان زرد زرد پھولوں کی گل و بلبل کے تکلف کو صبا کیا سمجھے ایک دنیا ہے تو اک خندہ زناں رہتا ہے
کاملؔ	عارف دہلوی	حکیم سعید الدین ولد مولوی اساس الدین فرشوری ساکن فرشوری ٹولہ	۲۷ رجب ۱۳۱۶ھ ۱۸۹۸ء	نظارۂ گل عارض سے جو نظر ہو جدا تو کیوں نہ خار کی مانند چشم تر میں چبھے رہے نہ کیوں خلش خار غم اسے کامل کہ جس کے ریزۂ الماس غم جگر میں چبھے
کششؔ	کامل بدایونی بعدہٗ مذاق	حکیم التفات حسین ولد شیخ مصلح الدین فرشوری ساکن فرشوری ٹولہ	۹ شوال ۱۳۴۳ھ ۳ مئی ۱۹۲۵ء	ملک جنوں کا شاہ ہوں درہم کی جا مجھے داغ جگر یہ نذر دیئے ہیں بہار نے سلسلۂ عہد سے کیوں تم نے بڑھایا صاحب اپنے دیوانے کی زنجیر بڑھائی ہوتی
کشفیؔ		حضرت مولانا شاہ سلامت اللہ ولد شیخ برکت اللہ متولی بدایونی ثم الکانپوری	۱۱ رجب ۱۲۸۱ھ ۱۸۶۴ء	خرامم در غمت صحرا بہ صحرا کجائی اے نگار من کجائی

تخلص	تلمذ	نام وسکونت	وفات	کلام
				عنابِ لبِ لعلِ محمد سے ہو سرشار کشفی کو حلال ایسی شراب ہی ہی
کیفؔ [۸۱]	مرزا داغ	مولوی سرار الحق ولد مولوی انوار الحق عثمانی ساکن مولوی ٹولہ	شعبان سنہ ۱۳۳۲ھ ۱۱ر جولائی سنہ ۱۹۱۳ء	رات دن نالہ و فریاد کیا کرتے ہیں اس بہانے سے محبین یاد کیا کرتے ہیں اس قدر شوق ہوا اُن کو ستم آرائی کا گھر میں بیٹھے ستم ایجاد کیا کرتے ہیں
لطفیؔ [۸۲]	مذاق	شیخ امتیاز الدین ولد شیخ کبیر الدین غزنوی ساکن چاہ میر	۲۷ر ذیقعدہ سنہ ۱۳۲۱ھ سنہ ۱۹۰۳ء	بعد از فنا جلانے کا اس کو نہ تھا خیال اغیار کے لگانے سے دے وی کفن میں آگ وہ سرد مہر غیر سے ہو گرم اختلاط کیونکر نہ مشتعل ہو مری جان و تن میں آگ
مائلؔ [۸۳]	غالب	میر عالم علی خاں ولد سردار بہادر میر مودود بخش خاں مودودی ساکن سہسوان ضلع بدایوں		گل پوش بعد مرگ ہمارا مزار ہو کیا لطف ہو کہ عین خزاں میں بہار ہو کیفیتیں نئی ہیں خرابات و ہر کی جو ہوش میں نہیں ہو وہی ہوشیار ہو
مبارکؔ [۸۴]		مولوی مبارک اللہ منصف ولد تبارک اللہ حمیدی ساکن قاضی ٹولہ	۶ر محرم سنہ ۱۳۰۱ھ ۱۸ر نومبر سنہ ۱۸۸۳ء	وعدہ فردا کا قیامت ہو مبارک کے لیے آج کی شب کو شبِ وصل بناؤ صاحب چندا سی چھب دکھلائے دئی چتنا مورے من کی ٹھائے دئی وہ بھید کی بات بتائے دئی جو جانت ناہیں ناگر یا

تخلص	تلمذ	نام وسکونت	وفات	کلام
متین[۸۵]	داغ	منشی محمد متین ولد شیخ مبارز الدین ساکن سوتھہ (محمد مبین صاحب نازش بدایونی کے والد تھے۔)	۱۸۹۹ء	محفل تمہاری محفل اب کا ہے کو رہی ہے سرکار ہو گئی ہے دربار ہو گئی ہے ہے آفتاب خواہشِ بادہ کیے ہوئے پھرتا ہے صبح صبح پیالہ لیے ہوئے
محشر[۸۶]		مولوی اکرام ﷲ ولد حافظ غلام مصطفےٰ ساکن سوتھہ		آ چھپا شورِ قیامت ترے داماں کے تلے فتنہ سوتا ہے ترے سایۂ مژگاں کے تلے جادھر کو لے اُڑے دل کی تپش کروں پرواز نہیں ہے برق صفت ہاتھ میں عناں میری
محو[۸۷]	مذاق و امیر مینائی	مولوی شفیع احمد وکیل ولد مولوی کمال احمد ساکن قاضی ٹولہ	۱۳۳۰ھ ذی الحجہ ۱۹۱۱ء	چھوڑ دے میرا گریبان بڑھ اے دستِ جنوں اس میں کیا ہے کہ جو ناصح کے گریباں میں نہیں رو ئیں مجھے پیٹیں مجھے دم لیں فرا بسمل کے پاس مرے عزیز و اقربا کیوں جمع ہیں قاتل کے پاس
محوی[۸۸]	مذاق	قاضی حافظ عبد العلام ولد قاضی شمس الاسلام عباسی ساکن چاہ میر	۱۳۰۲ھ جمادی الاول ۱۸۸۴ء	وائے ناکامی کہ مرغِ نامہ بر واں تک پہونچا کہ عنقا ہو گیا نظروں میں گو سبک ہوں پہ دل پر گراں نہیں کہتے ہیں "دور ہو" مرے دامن کو داب کے
مزنب[۸۹]	مذاق	قاضی علی احمد محمود اللہ شاہ ولد حافظ مولوی اسد اللہ حمیدی ساکن سوتھہ	۱۳۲۹ھ ۱۹۱۱ء	بعد البعاد انا الاوتان والدہری عاینی بکت قلبی شکایل الحوسری

تخلص	تلمذ	نام و سکونت	وفات	کلام
				تجھ میں ہم ہو گئے فنا ایسے تو ہی آیا نظر جہاں دیکھا
مست[90]		حضرت مولنا مولوی فضل رسول قادری رحمۃ اللہ علیہ	۱۲۸۹ھ ۲ جمادی الثانی ۱۸۷۳ء ۱۸ اگست	جب یہ سنا کہ چاہ میں وہ خستہ جاں گرا انگلی ذقن پہ رکھ کے کہا کیا یہاں گرا؟ جانے کس دن شب ہجراں کا گریباں ہوگا وصل کی صبح کا کب ہاتھ میں دامان ہوگا
مسکین[91]	مولوی نور احمد عثمانی	میانجی عظیم اللہ خاں ساکن قاضی ٹولہ (افسوس کلام سب تلف ہوگیا)	۱۳۰۴ھ ۱۹ محرم ۱۸۸۶ء م ۱۸ اکتوبر	قرآن سے حدیث کب جدا ہے وہ شمس یہ شمس کی ضیا ہے قرآں کا حدیث حاشیہ ہے کیا تجھ سے کہوں حدیث کیا ہے دردانۂ درج مصطفٰے ہے
مظہر[92]	مذاق	مولوی مظہر حسن صدر علی ولد مولوی عبادت اللہ ساکن قاضی ٹولہ	۱۳۴۵ھ ۵ ذیقعدہ ۱۹۲۷ء ۸ مئی	کہیں خورشید کہیں رشک مسیحا کہہ کر یار کو چرخ چہارم پہ چڑھا رکھا ہے اس جفا کار سے امید وفا رکھتا ہے
معین[93]	درد و سودا	مولوی معین الدین ولد شیخ عبدالجلیل حمیدی ساکن قاضی ٹولہ میں رہے	بارھویں صدی ہجری میں تھے	میں دوانہ ہوں معین اس ہی دانائی کا رہنے دو زمیں پر مجھے آرام یہی ہے میں نقش کف پا ہوں مرا کام یہی ہے

تخلص	تلمذ	نام وسکونت	وفات	کلام
ممتاز ۹۴	نوا	مولوی نجف علی تحصیلدار ولد مولوی علی اوحد اللہ حمیدی ساکن قاضی ٹولہ	سلخ ۲۰ سنہ ۱۳۰۷ھ سنہ ۱۸۹۲ء	جس کو میری طرح سے ہو کھینچنا مقصود رنج دل اسے دے جو کہ ہو نزودآشنا و زود رنج یاد آتا ہے جو وہ طرۂ طرار مجھے پیچ پر پیچ دکھاتی ہے شب تار مجھے
ممتاز ۹۵	شاہ نصیر	مولوی حکیم ممتاز الدین ولد حکیم افتخار الدین فرشوری ساکن فرشوری ٹولہ	سنہ ۱۳۰۷ھ ۱۴ رمضان سنہ ۱۸۹۰ء	مشہور تھے مجنوں اب آنا لیلیٰ ہے لب پر آغاز وہ دیکھا یہ ہے انجام ہمارا رات بھر اس کی گلی میں خاک چھانی تا سحر دل نہ ہاتھ آیا خدا جانے کدھر جاتا رہا
موحد ۹۶		مولوی وہاب الدین ولد مولوی مقیم الدین متولی ساکن سوتھہ	سنہ ۱۳۳۵ھ احادی الاول ۳ مارچ سنہ ۱۹۱۸ء	موجد از میکدہ امروز بہ شانے برخاست بکفے دست نگارے بکفے مینائے غزل تازہ نویسم موجد خامہ را بار دگر قط زدہ ام
جہانی ۹۷		مولوی مہدی علی ولد مولوی فضل الدین حمیدی ساکن قاضی ٹولہ ہجو لکھنے میں مشاق تھے	مولانا حسرت اور آزاد کے ہمعصر تھے	پلیا[1] کے کھار جھاڑ میں تو پھیر ڈھونڈھنا اس بے ایمان کے تئیں کچھ سوجھتا بھی ہے ہوتی اولاد نہ قاضی کی اگر نا ہنجار کس طرح دیہہ جاگیر کو بلٹے[2] کھاتے
مہر ۹۸	بیچین بدایونی	عبد الرحمن خاں جلد ساز ولد خیراتی خاں ساکن قاضی ٹولہ	ذیقعدہ سنہ ۱۳۲۸ھ نومبر سنہ ۱۹۱۰ء	کیا بتاؤں جو دل کی حالت ہے شکر ہے آپ کی عنایت ہے

[1] موضع پلیا میں جاگیرداری تھی [2] مقدم کا نام تھا

تخلص	تلمذ	نام وسکونت	وفات	کلام
				بے وفا اُس کو جانتا ہوں مگر پھر بھی اس سے مجھے محبت ہے
ناصحی [۹۹]		شیخ جمال خاں ولد شیخ منگن فرشوری ساکن فرشوری ٹولہ	۱۰ ذی الحجہ سنہ ۹۷۶ھ سنہ ۱۵۶۹ء	تاریخ ازمے عشرت مدام گل رنگ است مرا بفکر دہانت چو غنچہ دل تنگ است ہر سلیمانے کہ خود را کمتر از مورے نہ دید عاقبت برباد گشت وآں سلیمانی گذشت
ناطق [۱۰۰]	معروف دہلوی	مولوی نظام الدین ولد مولوی صدر الدین عباسی ساکن چاہ میر	سنہ ۱۲۸۵ھ سنہ ۱۸۶۸ء	آدمی آتے ہیں دنیا میں مسافر کی طرح ہے سرائے کارواں یہ رہ گیا وہ رہ گیا ناطق کو چپ کا دیکھ کے کہتی ہے ساری خلق کیا خوب آدمی تھا یہ کیوں بولتا نہیں
نفیس [۱۰۱]	نوا	مولوی اشرف علی تحصیلدار ولد مولوی نجف علی تحصیلدار حسینی ساکن قاضی ٹولہ بجرم بغاوت گولی سے جان لی گئی	سنہ ۱۲۷۴ھ مطابق سنہ ۱۸۵۸ء	مرنے کے بعد بھی نہ گیا ضعف کا اثر مدت کے بعد اُن کو ہماری خبر گئی سر نہ ٹھکراؤ مرا دیکھو غضب ہو جائے گا چوم لونگا پانو کو ترک ادب ہو جائے گا
نمک [۱۰۲]		منشی رامجی مل ولد پنڈت چنی لال ساکن کوچہ پانڈا	سنہ ۱۹۰۸ء	اس دلِ فتنہ کی خرابی کا ہے تری چشمِ فتنہ زا باعث ہائے پہلو سے آج وہ بھی گیا دل جو کچھ دل لگی کا تھا باعث

تخلص	تلمذ	نام وسکونت	وفات	کلام
نوا [103]	بقا دہلوی	نواب ظہور اللہ خاں المخاطب سعدی ہند و طوطی ہند ولد مولوی لیل اللہ ساکن قاضی ٹولہ	سنہ ۱۲۴۶ھ سنہ ۱۸۳۰ء	تصور میں تری آنکھوں کے ہم بادام سے کھیلے خیالِ چشمِ میگوں میں شراب و جام سے کھیلے سوادِ زلف ہیں بکھرے ہیں کل روئے روشن پر یہ کالے صبح تا اللہ اکبر شام سے کھیلے
نیر [104]	مذاق	مولوی علی حیدر ولد مولوی امیر حیدر حمیدی ساکن قاضی ٹولہ	۹ رمضان سنہ ۱۲۹۳ھ ۲۸ ستمبر سنہ ۱۸۷۶ء	کہتا ہوں کہ اغیار کے جلسے میں نہ بولو مقبول مری ہرزہ سرائی نہیں ہوتی مصنوع میں ہم دیکھتے ہیں جلوہ صانع کس بت سے عیاں شان خدائی نہیں ہوتی
واصل [105]		مولوی محمد واصل عباسی ساکن چاہ میر (مشتاق بھی تخلص کرتے تھے)		ہر لخت دل نگیں ہو جو انصاف کیجئے شہرت اگر نصیب میں واصل نہیں نہیں ہمارے کام پہ ہر چند آسمان پھرے تجھے قسم ہے جو تو اس طرف کو آن پھرے
وحید [106]		مولوی اشجع الدین ولد مولوی مبارز الدین متولی ساکن سوتھ	سنہ ۱۲۹۲ھ سنہ ۱۸۷۵ء	رباعی و خمسہ کا کہنا ہے مضموں لکھا نعت شہ میں تو نوحہ گیا ان کا ہے نہ شکوہ نہ رقیبوں کا گلہ ہے آیا مری تقدیر کا لکھا مرے آگے
وجد [107]	مذاق	مولوی غلام غوث ولد مولوی عزیز الدین عباسی ساکن چاہ میر		غیر ہم بزم تھا ہم پھر گئے شکوہ کیا ہے ہم سے بیٹھا نہ گیا تم سے اٹھایا نہ گیا

تخلص	تلمذ	نام وسکونت	وفات	کلام
۱۰۸ وحشتؔ	رسوا	مولوی احمد حسن ولد مولوی غلام حسین ساکن سوتھہ	۲ صفر سنہ ۱۳۰۷ھ سنہ ۱۸۸۹ء	ہو جو انجام محبت پہ تو ہو بیڑا پار پر غضب ہے یہی وہ ہاتھ تو پیر اٹھے ہیں ساقی ہے صحن باغ ہے آمد گھٹا کی ہے مجھ رند بادہ نوش پہ رحمت خدا کی ہے زاہد پیادہ پا سوئے کعبہ اگر گیا وحشتؔ حریم یار کو ہم سر کے بل گئے
۱۱۰ وہبیؔ		لالہ ہرسہائے ولد لال رائے کایستھ سکسینہ ساکن سہوان ضلع بدایوں	سنہ ۱۱۶۷ھ تک زندگی کا پتہ چلتا ہے یعنی سنہ ۱۷۵۳ء	میخوارہ را بتوبۂ عصیاں چہ حاجت است زہدو ریا بمشرب رنداں چہ حاجت ست وہبیؔ چو منع شیوۂ رندی کنند خلق من کے وریں معاملہ تقصیر می کنم
۱۱۹ وحشیؔ		مولوی نبی رضا ولد مولوی احمد رضا حمیدی ساکن قاضی ٹولہ	۱۲ رجب سنہ ۱۳۰۲ھ سنہ ۱۸۸۴ء	زینت گلشن اگر وہ میرزا ہو جائے گا پھول کر ہر گل کا پیراہن قبا ہو جائے گا چونا بنیں گی بعد فنا اپنی ہڈیاں دولت سرائے یار کی تعمیر کے لیئے
۱۱۱ ہاشمیؔ	مذاق	مولوی قطب الدین ولد مولوی نظام الدین ناطق ہاشمی ساکن بچاہ میر		ظہور نور ذات اندر قبائے بندگی کردند خداوندا چہ پنہاں آفریدند اندریں پیدا تو ز حال ما چہ پرسی کہ ز خاک ہم نشاں نیست خبر خرابی ما ز صبا شنیدہ باشی

تخلص	تلمذ	نام و سکونت	وفات	کلام
یکرنگ[۱۱۲]		چودھری غلام مصطفیٰ ولد چودھری غلام مرتضیٰ رئیس کھیڑہ بزرگ ضلع بدایوں	قریب ۱۲۴۳ھ مطابق ۱۸۲۸ء	سُرخ مکھڑے پہ خطِ سبز کا آغاز ہوا ورقِ گل پہ عیاں سبزہ خداساز ہوا

اس فہرست کی تکمیل کے سلسلہ میں جن حضرات سے مجھے مدد ملی ان میں۔ حاجی مولوی عبدالجامع صاحب جامی مولوی عطا احمد صاحب کیف فرشوری۔ مولوی مطیع احمد صاحب رخشاں منشی لچھمی نرائن صاحب جوہر بدایونی اور مولانا شاکر حسین صاحب نکہت سہسوانی خاص طور پر قابلِ شکریہ ہیں۔

ان شعرار کے علاوہ جن کے کلام کا کہیں نہ کہیں کچھ پتہ چلتا ہے اور جن کا ذکر فہرست مندرجہ بالا میں ہوا کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کے تخلص کی شہرت سے اس کا پتہ چلتا ہے کہ اپنے زمانہ میں اچھے شاعر ہوں گے لیکن افسوس کہ باوجود تلاش و کوشش ان کا ایک شعر بھی دستیاب نہ ہوا ان کے نام اور تخلص صرف اس اُمید پر درج کیے جاتے ہیں کہ ممکن ہے آئندہ کسی تذکرہ نگار کو ان کا کچھ کلام مل جائے۔ یہ فہرست حسب ذیل ہے:۔

چودھری جمال الدین اخیر ساکن کھیڑہ بزرگ۔ مولوی مبارز الدین ایجاد متولی۔ منشی رام سہائے تسلیم منشی مٹھن لال دانا۔ شیخ ذکار اللہ ذکا۔ مولوی زوار حسین زوار مولوی سخار اللہ سخا۔ شیخ سلیم اللہ سلیم شکر اللہ خاں شکر۔ موزوں۔ مولوی عظمت علی ضیا۔ شیخ عزیز اللہ عزیز فاروقی۔ چودھری احمد حسن عقیل رئیس عارفپور نوادہ۔ منشی شیو پرشاد کشتہ

منشی ام غلام منشی فخر العلما عمدۃ الملک۔ دیوان انشا مولانا حمید الدین مخلص شیخ مظہر حسین مظہر سہسوانی۔ قاضی بدر الاسلام مشہور بہ شیخ نیاز احمد نیاز۔ مولوی سمیع اللہ سمیع فاروقی۔

اس مقدمہ میں صرف متوفی شعرا کی یاد تازہ کرنے کو کافی سمجھا ہے اور موجودہ زمانے کی بدایونی شعرا سے جن میں بفضلہ اکثر صاحب دیوان ہیں یہ درخواست ہے کہ وہ اپنے کلام کو حتی الوسع زیور طبع سے آراستہ دیکھنے کی کوشش کریں۔ اور جن کے نزدیک یہ مشکل ہو وہ اس کی نقل کسی قابل اطمینان لائبریری میں داخل کر دیں۔

اس فرض منصبی سے سبکدوش ہو کر اب میں اصل مقصد کی طرف رجوع کرتے ہوئے "تجلیات سخن" کے مصنف اور ان کے کلام کا تعارف کراتا ہوں۔

"تجلیات سخن" کے مصنف مولانا نظامی ۱۲۸۲ھ مطابق ۱۸۶۵ء میں پیدا ہوئے ان کا خاندان بدایوں میں صدیقی متولی کے لقب سے ممتاز ہے۔ شیخ شمس الدین عرف شیخ بڈھن المخاطب بہ جھجار خاں المتخلص بہ زاہد اوائل سلطنت افاغنہ میں سرہند کے صوبہ دار تھے بعدہ امرار عہد اکبری میں داخل ہوئے) حضرت مولانا شاہ سلامت اللہ کشفی رحمۃ اللہ علیہ۔ مولوی جلال الدین باقر۔ مولوی وہاب الدین متوجہ وغیرہم باکمال شاعر اسی خاندان کے رکن تھے اور مولوی مجتہد الدین علیشؔ۔ مولوی اکرام احمد شاد حکیم کفیل الدین عالی وغیرہم بفضلہ اس وقت بھی موجود ہیں۔

اپنے خاندان کے دیگر شعرا کی طرح نظامی صاحب بھی اس فنی وراثت سے محروم نہیں ہے۔ ابتدا میں مولوی عبد الحی ہیجود مرحوم بدایونی نے شاعری کی طرف توجہ دلا کر کچھ اصول سمجھائے اور اپنے سامنے چند اشعار بھی لکھوائے۔ رفتہ رفتہ جب یہ شوق رنگ لایا تو نظامی صاحب نے ۱۸۹۶ء میں اپنی ایک مثنوی "صبح میلاد" جو

مطبوعہ موجود ہے بغرضِ اصلاح مولانا حالی مرحوم کی خدمت میں بھیجی۔ مولانا مرحوم نے جو زمانہ شناس ہونے کے ساتھ ہی طبیعت شناس بھی تھے مثنوی پر اصلاح فرمائی اور یہ لکھا "صاحبزادے تم شاعری میں اپنا دماغ نہ کھپاؤ مجھیں خدا نے اس کام کے لیے نہیں بنایا۔ تمھارے دل میں قومی درد ضرور ہے۔ ان جذبات سے متاثر ہو کر واقعات کو نظم کر لیا کرو تو مضائقہ نہیں"۔ مولانا حالی نے جس طرح نظامی صاحب کی نبض پہچان لی تھی اسی طرح ان کے اُستاد مرزا غالب مرحوم نے ان کی پہلی غزل دیکھ کر ان کی شاعرانہ قابلیت کا جو قدرت نے ان کی طبیعت میں ودیعت کی تھی اندازہ کر لیا تھا۔ بقول صاحب تذکرہ گلِ رعنا مطبوعہ مطبع معارف اعظم گڑھ صفحہ ۲۳ "مرزا غالب کی عادت تھی کہ وہ اپنے ملنے والوں کو اکثر فکرِ شعر سے منع کرتے تھے مولانا حالی نے جو دو ایک غزلیں کہہ کر مرزا کو دکھائیں تو انھوں (مرزا) نے کہا کہ "میں اگرچہ کسی کو شعر لکھنے کی صلاح نہیں دیتا مگر تمھاری نسبت میرا یہ خیال ہے کہ اگر تم شعر نہ کہو گے تو اپنی طبیعت پر ظلم کرو گے"۔

غرضیکہ مولانا حالی مرحوم کی صحیح تشخیص اور اس قابلِ عمل تحریر نے نظامی صاحب کے خیالات کا رُخ بدل کر ایک رنگ قایم کر دیا اور اس کے بعد سے بجز ان چند غزلوں کے جن میں سے بعض تلف ہونے سے بچ گئیں اور اس مجموعہ میں درج ہیں۔ ان کی شاعری صرف نعت منقبت یا اخلاقی۔ قومی تعلیمی اور بعض وقتی نظموں کے لیے مخصوص ہو گئی۔

اس مجموعہ میں باستثنا بعض وہ نظمیں شامل نہیں ہیں جو شوق اور اطمینان کی حالت میں پرجوش اُمنگوں کی تحریک سے لکھی گئیں اور جو علحدہ چھپ کر شایع بھی ہو چکی ہیں اس وقت زیادہ تر وہی نظمیں شایع ہو رہی ہیں جو وقتی ضرورتوں سے وقت کے وقت ہی تصنیف کی گئی ہیں تاہم اپنی سلاست اور روانی میں جو ایسی نظموں کا مخصوص زیور ہے یہ نظمیں بھی

کامیاب ہیں اور بیشتر ایسی بھی ہیں جن کو وہ امتیاز حاصل ہے جو دور از کار شکوہ لفظی اور غیر ضروری آورد کی بھرتی سے دور رہ کر ہی نصیب ہو سکتا ہے۔ نظامی صاحب کے کلام کی حقیقی خصوصیت قومی درد ہے جو کسی صنف میں ان سے نہیں چھوٹتی۔ چنانچہ عید سے متعلق ایک نظم میں نظامی صاحب کے مندرجہ ذیل اشعار اس بات کا ثبوت ہیں کہ اس انحطاطِ قومی کے سوگوار کو ؎ روتے ہی کٹ گیا ہے یہ دن بھی خوشی کا

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ بدایوں میں ۱۹۵۱ء میں ایک اسلامی کتب خانہ بنایا قائم ہوا تھا اور اس میں عید کے موقع پر ایک مشاعرہ قرار دیا گیا تھا۔ اس مشاعرے کی دعوت سے متاثر پاکر کہ سخن نے جو مناظر نظامی صاحب کے پیش نظر کیے ہوں گے ان کے فوٹو یہ اشعار ہی ہو سکتے ہیں۔ ملاحظہ ہوں :۔

عید کے روز ہے خوش مسلمِ ناکام کہاں   گردشِ بخت میں ذکر قدح و جام کہاں

یہ مطلع ان دل شکن حالاتِ قومی کی جانکاہ تصویر ہے جو ایک ہمدردِ قوم کے دُکھے ہوئے دل کو عید کے دن بھی خوش ہونے کی مہلت نہیں دیتے۔

قوم غافل ہے کچھ ایسی کہ نہیں فکر مآل   ابتدا میں اسے اندیشۂ انجام کہاں
عیدِ قرباں ہمیں قربانی کا دے لاکھ سبق   ہم بھلا سنتے ہیں ایثار کا پیغام کہاں
ہم وہ ہیں چشمۂ حیواں سے پھر آئیں پیاسے   اس زمانہ میں ہے ہم سا کوئی ناکام کہاں

ان اشعار میں جس انحطاط کا ماتم کیا گیا ہے اس کی اذیت کا صحیح اندازہ اہل شکستہ کو ہو سکتا ہے جس کی حسرت آلود نگاہوں نے اپنے ہرے بھرے گلشن اُمید کو خزاں یاس کی بے رحمیوں سے اُجڑتے دیکھا ہو۔ ؎

فکرِ عزت کی نہ کچھ غم ہمیں رُسوائی کا   ہائے افسوس گئی غیرتِ اسلام کہاں

یہ شعر اس عالم کی تصویر ہے جب ایک شکست خوردہ اپنے رہے سہے ساتھیوں کو بھاگنے سے روکنے کے لیے طنز و تشنیع سے غیرت دلاتا ہے اور جب یوں بھی کام نہیں چلتا تو اس قسم کے الفاظ کہہ کر خاموش ہو جاتا ہے جو نظامی صاحب نے مقطع میں نظم کیے ہیں ؎

اے نظامی تری باتوں میں اثر لاکھ سہی
ہوش میں آتے ہیں رندانِ مے آشام کہاں

ایک نعتیہ غزل کے چند اشعار ملاحظہ ہوں جن میں ادب کا لحاظ اور جذبات کا بجا اظہار کلام کی قابلِ قدر خصوصیت ہے ؎

غلافِ کعبہ[۱] ہے بر مین جبیں پر سہرے پھولوں کے — دُلھن کی طرح پھر آراستہ واکر[۲] کا ہے منبر

ممبر کی یہ تصویر جتنی مقدس ہے اتنی ہی صحیح ہے۔

کہیں گلہائے رنگیں ہیں کہیں خوش رنگ گلدستے — در و دیوار پر پھبتا ہے کیسا کا غذی زیور
اگر کی بتیوں سے ہے معطر انجمن ساری — دلِ سوزاں کو ٹھنڈک دے رہی ہے لوبانِ مجمر

تصنعات کی تعریف میں یہ سادگی و صداقت ان اشعار کا حصہ ہے۔

مبارک ہو تمھیں اے حاضرینِ محفلِ اقدس — حجاب قدس کے پردے کھلیں گے تم پہ سر تا سر
دکھائیں گے وہ جلوہ تم کو ہاں ہشیار ہو جاؤ — گئے تھے عزت و اجلال سے جو عرشِ اعلےٰ پر
اگر خوش قسمتی سے اک جھلک تم کو نظر آئے — کھڑے رہنا نظر نیچی کیے اپنی جھکائے سر

یہ حسنِ عقیدت اور ادب آموزی اس عملِ خیر کی محرک ہے کہ ان اشعار کو سن کر انسان "سبحان اللہ" کہے اور درود پڑھے۔

---

[۱] اس منبر کا شامیانہ غلافِ کعبہ سے بنا ہے۔
[۲] حافظ حکیم مجاہد الدین مرحوم بانیٔ نبی خانہ کا تخلص ہے۔

چند اشعار قصیدہ کے ملاحظہ ہوں جس سے یہ اندازہ ہوگا کہ نظامی صاحب کا مدیحی کلام بھی باوجود روانی کے اپنی لازمی خصوصیات سے صحیح طور پر ہمکنار ہے۔

موسم گل میں بہار آگیں ہے دامانِ دکن	برگ و بارِ خلد ہیں زیبِ گلستانِ دکن
کیا عجب گلدستہ بن کر چشمِ انجم کی نگاہ	ڈھونڈنے آئے فلک سے طاقِ ایوانِ دکن

ان اشعار میں قصیدہ کا تشبیہی رنگ کس قدر مکمل ہے۔

یہ فروغ اس عہد میں ہے علم کو تہذیب کو	علم ہے روحِ دکن تہذیب ہے جانِ دکن
کل کسی کے ذہن میں بھی تھیں نہ ایسی منزلیں	آج طے کرتے ہیں جن کو رہ نوردانِ دکن
جامعِ عثمانیہ ہے مرکزِ اربابِ علم	اس زمانے کی ترقی ہے ثناخوانِ دکن
پھر نئے پیکر میں آئیں گی تصانیفِ قدیم	مژدۂ نو لیکے آیا ہے یہ فرمانِ دکن

ان اشعار میں حقیقی تعریف کے ساتھ واقعیت میں شاعرانہ ندرت قابلِ داد ہے "مثنوی صبحِ میلاد"، جو نظامی صاحب کی ایک تہائی صدی قبل کی تصنیف ہے، ۱۳۰ اشعار کی مثنوی ہے۔ اور ۱۹۲۶ء میں شایع ہو چکی ہے۔ اس مثنوی میں نبی خانہ کی متبرک خصوصیات اور بانیِ نبی خانہ ذاکرِ رسول حافظ حکیم حاجی مجاہد الدین مرحوم کے خلوص کو سراہتے ہوئے قومی کارناموں کے سلسلے میں نظامی صاحب نے مندرجہ ذیل اشعار میں کس درد کے ساتھ تعلیمی جذبات اور مخالف مزاحمتوں کے تصادم کی تصویر کھینچی ہے! ایسے موقع پر شاعرانہ خوبیوں کا برقرار رہنا شاعری کا وہ معجزہ ہے جس کا مقابلہ لنگرِ شاعری اپنی لفاظی کے سحر سے قیامت تک نہیں کر سکتا۔ چند اشعار رنگ سخن کے تائیدی تعارف کی حیثیت سے ملاحظہ ہوں۔

جو فلسفیانِ ہند و چیں تھے	خرمن سے اسی کے خوشہ چیں تھے
اب قوم کی ہے صدا کہ زنہار	منطق سے نہ رکھیو کچھ سروکار

لہ مولانا کے والد بزرگوار مولوی رضی الدین صاحب کی اور ان کی ترغیب پر طباعت کا اہتمام ہوا تھا

گر فلسفہ کی طرف گیا دھیان	ممکن ہی نہیں ہے پھر ایمان
گر علم زبانِ غیر سیکھا	پھر نیچری ہونے میں ہے شک کیا
دل سے شش و پنج صاف کھونا	دو چار نہ ہندسے سے ہونا
ہوگا نہ علاج موت زنہار	علم الابدان بھی ہے بے کار

اس کے بعد گریز۔ ملاحظہ ہو کہ سلسلہ کا رُخ کس طرح بدلا جاتا ہے۔

اُردو کے رسالہ جات پڑھ کر	پھیلاؤ ہر اک دیار میں شر
سیکھو ہر داؤ گھات کو تم	چھوڑو نہ تعصبات کو تم
مومن کو بناؤ روز ناری	بس ختم ہے اس پہ دین داری
گمرہ کو نہ لاؤ راہ پر تم	فتوے لکھو کفر کا مگر تم
اپنے سے ملے نہ رائے جس کی	بے شبہ بتاؤ اس کو ناری
ہرگز نہ تم اتفاق سیکھو	سب سے ہو جدا۔ نفاق سیکھو

نظم کے ساتھ افسوسناک نتیجۂ کلام کا تسلسل بھی اس شعر پر ختم ہے

افسوس یہ ہے چلن ہمارا　　اب ہے یہ ہنر یہ فن ہمارا

"تجلیات سخن" کو شروع سے آخر تک دیکھ کر یہ کہنا پڑتا ہے کہ نظامی صاحب نے مستقل طور پر شاعری نہ کرنے کے باوجود بھی جو کچھ لکھا خوب لکھا اور ان کا کلام یہ بتاتا ہے کہ اگر ان کا دماغ فرائض صحافت کے ماتحت اخبار ذوالقرنین کے لیے اور ان کی تلاش قاموس المشاہیر[1] وغیرہ جیسی اہم تالیفات کے لیے وقف نہ ہو جاتی اور یکسوئی کے ساتھ قومی یا اخلاقی شاعری کرتے رہتے تو ایک امتیازی حیثیت کے ساتھ کارآمد اور سبق آموز کلام کافی ضخامت میں موجود ہوتا بہرحال جو کچھ کلام دستیاب ہو سکا وہ آج نہایت خوبی اور آب و تاب کے ساتھ دیدہ زیب طبع سے آراستہ ہو کر ناظرین کے سامنے موجود ہے وہ اس کا مطالعہ فرمائیں اور حسن کلام کی داد دیں فقط

[1] مشاہیر مشرق کی مختصر سوانح عمریوں کا مجموعہ ہے جو دو جلدوں میں بہ ترتیب حروف تہجی لاہور سے شائع ہوا ہے۔

ضمیمہ
حالات ملا عبدالقادر مورخ بدایونی مع سلام رخصتی

ملا عبدالقادر المتخلص بہ قادری رحمۃ اللہ علیہ فاروقی نسل کے ایک بزرگ تھے ۱۷ ربیع الثانی سنہ ۹۴۳ھ مطابق سنہ ۱۵۴۰ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کا مکان شہر بدایوں محلہ پتنگی ٹولہ متصل محلہ سید بارہ میں تھا مولوی ابوالحسن فرشوری مرحوم نے اخبار ذوالقرنین مطبوعہ ۱۷ فروری سنہ ۱۹۱۵ء میں ملا کی سوانح پر ایک بسیط مضمون لکھا ہے اس میں ان کی سکونت محلہ بیدوں ٹولہ میں لکھی ہے۔ اس اختلاف کی وجہ صرف یہ ہوسکتی ہے کہ محلہ پتنگی ٹولہ کے عقب میں ایک حصہ بیدوں ٹولہ کا ہے اور ممکن ہے کہ ملا کے مکانات یا مکان کا کوئی دروازہ بیدوں ٹولہ کی طرف بھی ہو۔

سنہ ۹۸۱ھ ۱۵۷۲ء میں بتوسل جلال خاں قورچی و حکیم عین الملک ملا مرحوم کو دربار اکبری میں شرفِ ملازمت نصیب ہوا۔ مذہبی حیثیت سے دربار کی حاضری ملا مرحوم کے حق میں وبال زیست ثابت ہوئی یعنی جب فیضی نے فرمانِ نبوت کے عنوان پر یہ شعر لکھا ؎

شکر صد شکر کہ خیر البشرے پیدا شد ۔۔۔ یک نبی رفت و بجایش دگرے پیدا شد

تو اس کے جواب میں ملا نے یہ شعر لکھ دیا ؎

حیف صد حیف کہ شر البشرے پیدا شد ۔۔۔ وائے در دین نبی رخنہ گرے پیدا شد

اس کے بعد ملا بدایوں چلے آئے۔ یہاں ملا کے خاص احباب ہمدردی سے پیش آئے۔ اور شہر کے دوسرے لوگ جو ملا کی طرفداری یا ہمدردی کو اپنے اعزاز و مناصب کے لئے خطرناک سمجھتے رہے۔ وہ دور دور رہے۔ جب ملا مرحوم کے ہمدرد اور

معاون بھی عتابِ شاہی کی تاب نہ لا سکے تو مُلا بدایوں سے لاہور کو چلے گئے اور اثنارِ سفر میں جب کہ ان کے دل و دماغ رنج اور غصّہ کی جولانگاہ بنے ہوئے تھے وہ سلام تصنیف کیا جو اس ضمیمے کے آخر میں درج ہے - اس میں اپنے ہمدرد احباب کو اچھے الفاظ سے یاد کیا ہے اور دوسرے لوگوں کو اس کے خلاف سخت سست کہنے میں بھی تامل نہیں کیا ہے بلکہ بعض اعیان و مشاہیر کی شان میں ایسے الفاظ بھی کہہ گزرے جن کی صلیبت صرف مُلا کی شدتِ غیض و غضب ہی پر منحصر ہو سکتی ہے۔ یا بالفاظ دیگر شہنشاہ اکبر کے حصے کا غصہ اُن لوگوں پر اُتارا ہے کیونکہ اپنی نیک نیتی سے قدرتاً مُلا مرحوم کو یہ اُمید ہوگی کہ اس مذہبی اجتہاد میں اہلِ وطن ضرور اُن کا ساتھ دیں گے۔

اس سلام کے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کے ایک ہزار اشعار تھے۔ لیکن مجھے باوجود کوشش کے ۳۹۔ اشعار سے زیادہ دستیاب نہ ہو سکے۔ بڑا حصّہ نظامی صاحب کے کتب خانے میں محفوظ تھا۔ کچھ اشعار لوگوں کو زبانی یاد تھے کچھ مختلف بیاضوں میں ملے ان سب کو جمع کرکے یہ تعداد پوری کی گئی۔

جب مُلّا لاہور پہونچے تو ناظمِ لاہور نے بہت عزت کی اور نہایت تپاک سے حقِ مہانداری ادا کیا۔ (روضۃ الصفا میں لاہور کی بجائے یا لاہور کے ساتھ ملا مرحوم کا توران جانا اور شاہ توران کا مُلّا کے متعلق شہنشاہ اکبر سے خط و کتابت کرنا اور آمادہ جنگ ہونا بھی لکھا ہے) واللہ اعلم بالصواب

کچھ مُدّت کے بعد فیضی کے دُنیا پرست دل پر مُلا کی دینداری اور مذہبی آزادی کا اثر ہوا یا کسی دوسری تحریک سے متاثر ہو کر اس نے مُلّا کو خط لکھ کر آگرہ بلوایا مُلا لاہور سے آگرہ کی طرف آرہے تھے اور شہنشاہِ اکبر آگرہ سے دہلی جا رہے تھے اثنارِ راہ میں

کسی منزل پر ملا کو شرف باریابی حاصل ہوا اور شہنشاہ نے ان کا قصور معاف کردیا
ملا نے اپنے قصور کی ظاہری تلافی کے لیئے درخواست کی کہ ابوالفضل کے ساتھ انھیں (یعنی
ملا کو) بھی دکن کی مہم پر بھیجدیا جائے۔ چنانچہ اجازت مل گئی۔ دکن پہونچکر ابوالفضل
میدان جنگ میں قتل کردیئے گئے اور ملا واپس آکر از سرنو دربار میں داخل ہوئے
اس کے بعد جو واقعات پیش آئے ان کا تعلق اگرچہ براہ راست اس سلام سے نہیں ہے
مگر اس سلسلہ بیان کی تکمیل کے لیئے اور نیز اس خیال سے کہ بعض لوگ بعد کے واقعات
کو ان گزشتہ واقعات سے ملا کر غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں ان کا مختصر ذکر مناسب
معلوم ہوتا ہے۔

منتخب التواریخ جو ملا نے ۹۹۹ھ میں لکھنی شروع کی تھی وہ ۱۰۰۴ھ میں ختم
کو پہونچی جس کی تاریخ خود ملا مرحوم نے حسب ذیل لکھی ہے۔

شکر للہ کہ باتمام رسید   منتخب از کرم ربانی
سال تاریخ ز دل جستم گفت   انتخابے کہ ندارد ثانی

اس مادہ تاریخ میں (مصرعہ آخر) لفظ ثانی ۱۰۰۴ھ سے قبل لفظ حرف (ن) محذوف ہے
یعنی انتخاب کے حرفوں میں دوسرا حرف (ن) ندارد ہونے سے ۱۰۰۴ھ حاصل
ہوتے ہیں۔ اور ندارد ثانی کا جملہ اس حسن کلام کی دلیل ہے جس میں تاریخ کو
بے مثل کہنا مقصود تھا۔

اُدھر یہ تاریخ ختم ہوئی اِدھر اسی سال یعنی ۱۰۰۴ھ ۱۵۹۵ء ہی میں ملا کی کارآمد اور
قیمتی زندگی کا خاتمہ ہوگیا۔ حسین قلی شیفتہ صفہانی نے ملا کے انتقال کی یہ تاریخ لکھی ہے۔

شاعر خوش کلام و خوش گفتار   زیں جہاں چونکہ ارتحال نمود

از سر اشکِ شگفتہ آورد قادری آہ انتقال نمود
۱۰۰۴ھ

مُلّا کی قبر اہلی معافی واقع موضع عطاپور پرگنہ بدایوں میں ہے یہ موضع بدایوں سے دو میل کے قریب گوشہ شمال و مشرق میں پختہ سڑک کے مشرقی کنارے پر واقع ہے مزار کا چبوترہ بہت خراب حالت میں ہے کئی مرتبہ درستی کی کوشش کی گئی لیکن اب خان بہادر نواب شیخ عبدالغفار صاحب فاروقی رئیس شیخوپور نے اس کو از سر نو تعمیر کرانے کا ارادہ کیا ہے اور اُن کی اولوالعزمی سے اُمید ہے کہ عنقریب یہ تاریخی یادگار مکمل ہو جائے گی۔

مُلّا کے انتقال کے بعد جب جہانگیر تخت شاہی پر جلوہ آرا ہوا منتخب التواریخ کی شہرت بادشاہ جہانگیر تک پہونچی اور حسب فرمان شاہی ملا مرحوم کی اہلیہ و صاحبزادی کو گرفتار کر کے دربار جہانگیری میں حاضر کیا گیا۔ صاحبزادی نے جواب دہی کے طور پر شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کا یہ شعر پڑھا ؎

گنہ بود مردِ ستمگارہ را چہ تاوان زن و طفلِ بیچارہ را

اس شعر نے جہانگیر کے دل پر ایسا اثر کیا کہ اس نے رحم کھا کر فوراً حکم رہائی صادر کر دیا۔

ملا مرحوم کا رخصتی سلام

ای صبا از من ببر اہل بداون را سلام	۱	برگ باشد یا کہ گل بل خار گلشن را سلام
اہل زہد و اہل فسق و ہم شریف و ہم وضیع	۲	عندلیب باشد یا کہ خرد لشاد و سرکش را سلام
ابتدا سازم بذکرِ مسند آرایانِ شہر	۳	دوستانِ صادق و پرکینہ دشمن را سلام

ع پریشان و سراسیمہ ۔ ۵ شریف: اعلیٰ ۔ وضیع: ادنیٰ

روح آں سلطان علاء الدین کہ بدبخشندہ[۵۱]	۴	آں تمغا مال و پیل و اسپ آذن را اسلام
آنکہ کرد آباد اسے علائے[۵۲] پور و عبد ے را بداد	۵	بود اولادش کثیر از مرد تا زن را اسلام
نسل بیا دھو بچہ گاں کشمیر زا خوش خمرہ[۵۳]	۶	ساکن دیہہ گنورہ آں کمھن را اسلام
روئے قاضی[۵۴] را نگر ہمچوں گھہ باراں زدہ	۷	آں دبنگ بے حیا آں قاز گردن را اسلام
ہرزہ گو ہرزہ سرا جھجار خاں پالاں[۵۵] نشیں	۸	بے حیا و بد دغل پرکین و پُر فن را اسلام
شیخ اعظم[۵۶] سہروردی از مضافات یمن	۹	قوس ساز و سہم ساز و ماہر فن را اسلام
آنکہ از اطراف شروان[۵۷] بود متاخر سوار	۱۰	پیشۂ نجار کردہ نسل ارمن را اسلام

۵۱ مولوی عبدالوالی کے نسخہ میں "بخشندہ" کی جگہ علوی غور ہے اور دوسرا مصرعہ اس طرح ہے "آں تمغا فیل و اسپ و پیل آذن را اسلام"
آل تمغا بمعنی فرمان عطائے جاگیر۔ آذن بمعنی اسباب آرائش

۵۲ قاضی غلام شبیر کی بیاض میں "اعلی پور و عبدے را" کی بجائے مصرعہ اول میں "علا پور و علائی را" لکھا ہے۔ علائی ایک شاعر کا تخلص تھا۔

۵۳ خمرہ بمعنی پوشش اس شعر و شعر نمبر ۸ کے متعلق صفحہ ۵۹ ملاحظہ ہو۔ دوسرے مصرعہ میں "کمرن" کی جگہ ایک نقل میں "کنجن" لکھا ہے۔
کمرن کمہاری سے مراد لی ہے

۵۴ قاضی غلام محمد گنوری کی طرف اشارہ ہے جو عہد اکبری میں ۹۶۶ھ سے ۹۷۵ھ تک قاضی اور قاضی القضاۃ رہے
مُلا کے بدایوں میں روپوش ہونے کی اطلاع بادشاہ کو انھیں کے ذریعہ سے ملی تھی۔ "گہ باراں زدہ" اس اُپلے کو کہتے ہیں
جس پر مینہ برس گیا ہو اور یہ اشارہ چیچک رو ہونے کی طرف ہے۔

۵۵ پالاں گدھے کی جھول کو کہتے ہیں یہ اشارہ مالکانہ ہے۔ جھجار خاں مرحوم فیل نشین تھے طنزاً پالاں نشیں کہا مفصل نوٹ صفحہ
۶۰ پر ملاحظہ ہو۔

۵۶ ایک نقل میں اس شعر کے علاوہ یہ شعر بھی درج ہے جس میں شیخ اعظم کے بیٹے شیخ احمد کا ذکر ہے ۔ احمد از اولاد شیخ سہروردی قوی ہیکل گرہ
در صیانت بے نظیر و اثقل از زن را اسلام

۵۷ "شروان" افغانستان کا ایک شہر ہے۔ دوسرے مصرعہ میں "ملوہن" سے دیوبند مراد ہے ممکن ہے کہ اس نام کا کوئی مقام
افغانستان میں بھی ہو جس طرح ایک قصبہ دیوبند ضلع سہارنپور میں ہے۔ شیخ متن کی نسبت "ثبات الصالحات"
میں لکھا ہے "حضرت عبداللہ مکی نے وصیت کی تھی کہ

(بقیہ صفحہ ۵۶ پر ملاحظہ ہو)

آنکہ در افواج کردہ نام خود یکہ سوار	۱۱	شیخ اکبر غزنوی آں پاک امن اسلام
شیخ کوہی بدر عالم اصل او از خاک وخش[۱]	۱۲	ہست مخبر[۲] از سکارائے شارب[۳] وُن را اسلام
چرم دوزے نام او ہیراتن در شہر نو[۴]	۱۳	خدمت اسپاں ہمیشہ بود و رشتن[۵] را اسلام
سید[۶] عالی نسب سید حسین گنج ور	۱۴	مخزن جود و سخا آں پاک امن را اسلام
بانی مدرسہ[۷] وانہار و پل و مہماں سرائے	۱۵	ہم رباط[۸] و مسجد و تن شو[۹] و کنکن[۱۰] را اسلام
دیگرے شہزادہ سید محمد چاہ[۱۱] میر	۱۶	معطی از آلتمغا طفلاک و زن را اسلام
آنکہ بخت بست اسپ و سی شترده گو سفند	۱۷	داد کا بر حال حاج و شغل دادن را اسلام

(بقیہ صفحہ ۵۵) میرے جنازے کی نماز وہ شخص پڑھائے جس نے کبھی عصر کی سنتیں قضا نہ کی ہوں چنانچہ جنازہ اس انتظار میں رکھا تھا کہ ایک بزرگ خر سوار جن کا نام شیخ متن تھا جانب شمال سے نمودار ہوئے اور بلا کسی تعارف کے عبداللہ تلی کے صاحبزادے حافظ محمد یعقوب کا ہاتھ پکڑ کر کہا "برخوردار! در نماز دفن شیخ چہ انتظار است" حافظ صاحب نے شیخ کی وصیت کا اظہار کیا۔ شیخ متن نے فرمایا "بہر ایں کار بندۂ شرمسار آمدہ است" اس کے بعد ان بزرگ نے بدایوں کی سکونت اختیار کی اور شرفائے بدایوں میں جن کی ملا مرحوم نے تعریف کی ہے یا بالفاظ دیگر جن کو شریف اور صحیح النسب لکھا ہے قرابتوں کا سلسلہ ہو گیا جو اب تک جاری ہے۔

۱؎ نواح بلخ میں ایک شہر کا نام ہے۔

۲؎ ایک نقل کے فٹ نوٹ میں مخبر کی بجائے مخمر لکھا ہے اور اس کے معنی شرابی لکھے ہیں

۳؎ خم جٹکا ۴؎ موضع نوشہرہ ضلع بدایوں ۵؎ کاتنا۔ بٹنا

۶؎ ایک نقل میں یہ شعر اس طرح درج ہے سید عالی نسب سید حسین خضر بخت۔ وارث ملک خلافت ملک ہر دو اسلام

۷؎ فرارہ

۸؎ مسافر خانہ ۹؎ غسل خانہ ۱۰؎ چاہ۔ کنواں

۱۱؎ محلہ کا نام بھی کنوئیں کی وجہ سے یہی ہو گیا ہے۔

بانیِ خیر المساجد ابرپارہ[۵۱] اندرون	۱۸	واقفِ حمام و بستاں اہلِ مدفن[۵۲] را سلام
سید رونق دہِ سیدپورہ[۵۳] میراں سعید	۱۹	ابن مظلومے شہیدِ سید احسن را سلام
خواہرانش فاطمہ و زینب و کلثوم ہم	۲۰	دیگراں عفت پناہے مرد دشمن[۵۴] را سلام
سید زینت دہِ شہزادہ پور[۵۵] سید حلیم	۲۱	ابن عباسِ قتیلِ پاک مدفن را سلام
خواہرانش عائشہ و ہم خدیجہ دیگراں	۲۲	راہ علوی سنتِ نبوی گزیدن را سلام
سید عزت دہِ میراں سرا[۵۶] سید حسن	۲۳	ابن حیدر آں شہیدِ پاک مسکن را سلام
خواہرانش ہم سکینہ ساجدہ ہم غیر آں	۲۴	دیگراں عفت پناہ و پاک دامن را سلام
دیگراں شہزادگان علوی نسب خضر[۵۷] بہ تن	۲۵	ہر یکے نامے بنامے تن بیک تن را سلام
شیخ عثمانی کہ بُد در پارسائی بے عدیل	۲۶	نازلِ وبہہ منونا[۵۸] اصل دیبن[۵۹] را سلام
آنکہ قدر و منزلت افزود با علیے[۶۰] گدا	۲۷	بانیِ قصرِ رفیع و جزر آہن[۶۱] را سلام
سید احمد مشہدی از صنفِ جوئی دھریاں کہ مست	۲۸	نازل شہر بدایوں از مہابن[۶۲] را سلام
سید آں غوریاں[۶۳] سید حسن صدر قبا	۲۹	آں قبائے منبع داد اوس[۶۴] معدن را سلام

[۵۱] محلہ اوپر پارہ [۵۲] ایک نقل میں مدغن لکھا ہے اور فٹ نوٹ میں لکھا ہے کہ یہ ایک شہر کا نام ہے۔

[۵۳] موضع سیدپور ضلع بدایوں [۵۴] ایک جگہ مرگ دشمن لکھا ہے۔ [۵۵] ضلع بدایوں میں ایک موضع شہزادنگر ہے ممکن ہے کہ پہلے اس کا یہی نام ہو۔ [۵۶] بدایوں میں ایک محلہ ہے [۵۷] سبز پوش۔

[۵۸] ضلع بریلی میں ایک موضع ہے۔ جو انھیں بزرگ یعنی شیخ راجی کو ملا تھا جس کا ذکر شعر نمبر ۲۰ کی تردید میں بحوالہ کشف النظا کرشمہ جو داوست "آگے لکھا ہے۔ [۵۹] دیوبند کا مخفف [۶۰] ایک فقیر کا نام

[۶۱] لوہے کا پل [۶۲] ضلع متھرا میں ایک قصبہ ہے [۶۳] ایک نقل میں غوریاں کی جگہ موریاں لکھا ہے

[۶۴] عطا بخشش۔ ایک نقل میں یہ مصرع اس طرح لکھا ہے ؎ آں قبائے نغمہ دار اوس معدن را سلام اس کا مطلب راقم الحروف کی سمجھ میں نہیں آتا۔

سیدانِ غریباں سید حسین اصلِ قبا [۵۱]	۳۰	جد و آبائے بزرگش جدِّ مدین را اسلام
سید یسین محمد بود از یسین پورہ	۳۱	با خدا و مصطفیٰ و عالمِ فن را سلام
سید گرویزیاں شرقی کہ عرفش پرچی است [۵۲]	۳۲	صوف پوش و نو پاشِ راہ ارمن را اسلام
بیشتر وارد مریداں صاحبِ دل پر ز نور	۳۳	رہبرِ مردان عارف راہ کرمن [۵۳] را اسلام
سید گرویزیاں سید علائی بے نوا	۳۴	خاک پائے دوستان جوپائے [۵۴] اردن را اسلام
خواجگانِ چشت زاولادِ عمر فاروقیاں	۳۵	جملہ اخلافِ فرید پاک پٹن را اسلام
شیخ منصور آنکہ باشد صاحبِ زہد و ورع	۳۶	ساکن فرشور و پور شیخ منگن را اسلام
بو المظفر جامگی [۵۵] خوار عبد الحق کہ بود	۳۷	ساکنِ فرشور بودہ نسلِ منگن را اسلام
ابن حلاق [۵۶] کنیزک زادہ مروانیاں	۳۸	دانیال کو تری آں آلِ ارمن اسلام
قادری [۵۷] مسکین با اہلِ دیارا عجب نگفت	۳۹	بلکہ اوصافِ خودش اظہار کردن اسلام

۵۱ یہ محلہ اب ویران ہو گیا ہے حضرت سید عرب صاحب اور حضرت سید احمد صاحب کے مزارات کے وسطی حصۂ ارضی میں تھا جہاں اب گورِ غریباں ہے۔

۵۲ ارمن کے معنی مغرب۔ گرویزیاں نعرہ لگانے والے۔

۵۳ کرمن کے معنی مشرق یعنی مغرب سے آکر مشرق میں رہبری کی۔

۵۴ ایک غلہ جس کو چینا کہتے ہیں۔ ۵۵ ایک نقل میں "جامگی خوار" کی بجائے "جامگی نواب" تحریر ہے اور دوسرے مصرعہ میں "نسل منگن" کی بجائے "نسل ھنگن" درج ہے۔ جامگی کے معنی وظیفہ۔ نمبر ۳۶ و ۳۷ کا تضاد بتاتا ہے کہ شعر نمبر ۳۷ الحاقی ہے یا اس میں کچھ رد و بدل کی گئی ہے یہی حالت شعر نمبر ۳۷ و ۳۸ کی ہے۔ ۵۶ حلاق بمعنی حجام

۵۷ یہ مقطع بھی الحاقی ہے جو بطور جواب ترکی بہ ترکی کسی نے تصنیف کرکے اس سلام میں شامل کر دیا ہے جس کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ ملا نے اہلِ وطن کو غیر شریف ثابت کرکے اپنے شریف نہ ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

اشعار نمبر ۲و ۳ کے متعلق مندرجہ ذیل تاریخی حالات قابل ملاحظہ ہیں۔

تذکرۃ الصلحا مرتبہ علامہ عین الدین بیجاپوری کی عبارت (جس سے فخر العلما حمید الدین گنوری سبزواری کا بدایوں آنا اور قاضی صدر الدین سے ملنا (جو بلا اطلاع والدین بدایوں آکر اپنے خسر قاضی سعد الدین عثمانی کی جگہ قاضی شہر ہو گئے تھے اور جس کی تفصیل تاریخ وصاف اور مفتاح النحو ابن سکاکی وغیرہ میں درج ہی) ثابت ہوگا) چوں شیخ حمید الدین مخلص در سواد بدایوں شرف ورود فرمودہ۔ اول بر آستانہ حضرت سید محمد والد ماجد حضرت نظام الدین محبوب الٰہی) فاتحہ خواندہ در آنجا با شیخ یوسف کوزہ گر ملاقی شدہ۔ او بصد تپاک بمکان خود بردہ در دعوتِ طعام وے اہالیانِ شہر را مدعو ساخت و ہنگام ضیافت شیخ کوزہ گر شیخ صدر الدین قاضی بدایوں را نزد شیخ حمید الدین بردہ معرفی نمود بس ہماں وقت فرمان سلطان از دہلی برائے مستقل تقرر قاضی صدر الدین وقت باقی شرفِ صدور آورد و مسرت بے اندازہ رو نمود و مولٰنا تاج الدین عراقی کہ شریکِ دعوت بود در تہنیتِ قدوم شیخ حمید الدین مخلص گنوری ایں تاریخ خواند؎

گنور بہشت در بدایوں آمد الخ (غالباً ملا مرحوم نے "آل کمرن" اسی دعوت اور ملاقات کی بناپر تصنیف کیا ہی۔)

کشف الغطا کی عبارت (جس سے معلوم ہوگا کہ خود ملا علیہ الرحمہ نے اپنی تاریخ میں اُس خاندان کے متعلق کیا لکھا ہی) "قاضی صدر الدین وقت باقی گنوری بدایونی ابن مولٰنا حمید الدین مخلص گنوری بدایونی از علماء و مشائخ بدایوں است کہ بعہد سلطنتِ غیاث الدین بلبن قاضی بدایوں بودے۔ جامع بود میان علم ظاہری و باطنی و شرافت و فتوت و حضرت مصلح الدین سعدی شیرازی عم محترم وست ازیں جہت اولادش نیز شیخ سعدی را

علم میخوانند"۔

کشف الغطاء کی دوسری عبارت (جس سے معلوم ہوگا کہ اس کے علاوہ ایک دوسرے موقع پر خود مولانا علیہ الرحمۃ اس خاندان کی نسبت کیا لکھتے ہیں) ملا نور بدخشانی واقعہ نگار سید علاءالدین بادشاہ ہند مقیم بدایوں در محاربات ہند ذیل علماء سلطان فیروز شاہ تغلق تذکرہ قاضی فتح اللہ بدایونی (یہ بزرگ قاضی صدرالدین وقت باقی کے چوتھے صاحبزادے تھے (ملاحظہ ہو باقیات الصالحات مرتبہ خاندان متولیان" "انساب شیوخ فرشوری بدایوں" مرتبہ خان بہادر مولوی رضی الدین متعلق شجرہ خاندان فرشوری "سیرۃ الحمید فی احوال السعید" مرتبہ خاندان حمیدی گنوری) قاضی آنوقت باین طور میکنند کہ مومی الیہ سطوتے ظاہر و عظمتے ماہر داشت۔ مکالمہ او اہل ذکارا عاجز گردانید با ایں ہمہ از بذل و عطا مشہور نزدیک و دور بود کہ شمہ جود اوست"۔ بقیہ عبارت بوجہ طوالت نقل نہیں کی اس کا خلاصہ یہ ہے کہ شیخ راجی عثمانی مرحوم قاضی صاحب سے ملے اور بحیثیت ایک با اثر رشتہ دار کے قاضی صاحب نے اپنی ہمدردی کا فرض ادا کیا۔

شعر نمبر ۸ کے متعلق تحریرات ذیل ملاحظہ ہوں:۔

کنز التاریخ صفحہ ۲۲ (جس سے واضح ہوگا کہ شیخ شمس الدین کس رتبہ کے بزرگ تھے) "شیخ جھجار خاں کا نام شیخ شمس الدین عرف بڈھن تھا جو ابن شیخ سعداللہ قریشی صدیقی اولاد حضرت عبدالرحمن بن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے تھے ان کی قبر روضہ جھجار خاں کے دروازہ شرقی کے سامنے ہے۔ اس گنبد پر ایک کتبہ دروازہ شرقی پر نصب ہے جس کی عبارت حسب ذیل ہے:۔

"گنبد از آں جھجار خاں عرف شیخ بڈھن بن شیخ سعداللہ قریشی در عہد سلطنت سلیم شاہ

ودرسنہ خمسین وتسعمایہ اتمام یافت" ان کے مورث عبداللہ مکی سنہ ۷۶۰ ہجری میں مکہ سے بدایوں آئے۔ شہنشاہ اکبر کے عہد میں معزز منصب پر مامور تھے۔ شاعر بھی تھے۔ زاہد تخلص تھا۔ مُلا عبدالقادر بدایونی نے ان کا ایک شعر اپنی "تاریخ" میں لکھا ہے۔ یہ ایک مثنوی سے لیا گیا ہے جو تعریف بسم اللہ میں لکھی ہے۔

"کنگرۂ سین چو خنداں شدہ   خندۂ او ازبن دنداں شدہ"

اکبر نامہ میں شیخ ابوالفضل نے لکھا ہے (جس سے معلوم ہوگا کہ ان بزرگ کو اپنے گھر پر ہی نہیں بلکہ بادشاہِ وقت کی ہمراہی میں بھی فیل نشینی کی عزت نصیب تھی) "من از زبان اقدس شنیدہ ام کہ "روزے بہ جمعیت قلیل در شکار بودم۔ خبر رسید کہ ساکنان سکیٹ کراولی با عامل بادشاہ بجنگ آمدہ۔ از انجا ارادہ کردم۔ در اثنائے راہ پائے فیل بادشاہی درچقر در آمد۔ قریب شد کہ فیل معہ عماری بزمیں آید۔ جھجار خاں بدایونی از پشت فیل خود جرأت و بدستیاری دست خود پائے فیل خود مابدولت از چقر برآوردلا"

ملا عبدالقادر مرحوم خود اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں" جھجار خاں در اوائل سلطنت افاغنہ بصوبہ داری سرہند مقرر بود وپلے درانجا تعمیر کردہ۔ در آخر عمر بر مددِ معاش خود قانع شدہ ترک خدمت و منصب کرد ومقبرہ عالیشان در سرائے گور پدر خود بنا ساختہ "

اس اعزاز و شرافت کے ثبوت میں ان دونوں خاندانوں کے متعلق وہ تفصیلی حالات نقل نہیں کیے ہیں جو ان خاندانوں کے مرتب کردہ اور مطبوعہ موجود ہیں تاہم حالات مذکورۂ بالا مندرجہ کتب تاریخی جو مطبوعہ ہیں دیکھ کر یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ یہ بزرگ اور یہ خاندان کیسے شریف اور کتنے معزز تھے اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوسکتا ہے کہ ایسے وقت میں ملا مرحوم کا یہ خیال کہ اس مذہبی جہاد میں معزز اہل وطن (جن کو خود مولانا علیہ الرحمہ نے

اپنے رخصتی سلام کے تیسرے شعر میں "مسند آرایاں شہر" کے القاب سے یاد کیا ہے) ان کا ساتھ دیں گے اور ان بزرگوں کا ملا مرحوم کی ہمدردی اور ہم آہنگی یا طرفداری کو اپنے اعزاز و مناصب کے لئے خطرناک سمجھنا یہ دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ پر ایک حد تک بجا تھیں۔ اور یہ ملا علیہ الرحمہ کی ایمانداری کا ثبوت ہے کہ اپنے رخصتی سلام میں غصّے کی بجلیاں گرانے کے بعد بھی انھوں نے اپنی تاریخ میں جو ان واقعات کے بعد تکمیل کو پہونچی ان بزرگوں کے متعلق حالات کو اپنے جذبات غضب کے مطابق ترمیم نہیں کیا اور رخصتی سلام کی طرح (جو ایک فوری ناگوار اثر کا نتیجہ تھا) اپنی تاریخ میں "ولیکن قلم در کف دشمن است" کے مصداق نہ بنے۔ دوسرے حضرات کے متعلق جو اس سلام میں ملا مرحوم کے مورد عتاب ہیں یہی کہا جا سکتا ہے کہ یا تو ان سے بھی ملا صاحب کو یہی شکایت تھی اور یا ممکن ہے کسی خاندان کی کمزوری یا کسی معمولی کمزوری کو شاعرانہ مبالغے سے بڑھا چڑھا دیا ہو جس کی تحقیقات کے لئے علٰحدہ ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی تیز طبیعت شاعر نے اپنے ذاتی عناد کی بنا پر کچھ ترمیم تنسیخ یا کچھ اضافہ کر دیا ہو جیسا کہ بعض نقول کے اختلاف سے ظاہر ہوتا ہے۔ ان سب باتوں کے علاوہ لوگوں کے حافظہ کی کمزوری بھی اس رد و بدل کا سبب ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

تتمہ فہرست شعرائے بدایوں حضرت مطیع الرسول مولینا شاہ عبدالمقتدر قدس سرہ نبیرہ حضرت مولینا سیف اللہ علیہ عربی، فارسی اور اردو میں شعر تصنیف فرماتے تھے لیکن اظہار پسند نہ تھا تکمیل فہرست کے بعد حضرت مولینا حکیم عبدالماجد صاحب کی کریمانہ توجہ سے مجھے اس تلاش میں کامیابی ہوئی اس لئے بطور تتمہ اس متبرک کلام کو نذر ناظرین کرتا ہوں۔ مولینا علیہ الرحمۃ کا وصال ۲۵ محرم ۱۳۳۴ھ مطابق ۱۹۱۵ء میں ہوا

نمونہ کلام یہ ہے:۔

مست شراب عشق چو پیر مغان ماست　　فردا مگو طہور بجنت از آن ماست

تماشا راز خلوت کا بھری محفل میں کیا ہوگا　　ہزاروں جس میں خطرے ہیں۔ خدا اس دل میں کیا ہوگا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظامی صاحب بارگاہ ایزدی میں

(۱)

دینا اسے کہتا ہے۔ دلانا کوئی	جو دیتا ہے خود یا جو دلا دیتا ہے
یہ کہنے کی باتیں ہیں نظامی ورنہ	جو ملتا ہے جس کو وہ خدا دیتا ہے

نظامی صاحب بارگاہ نبوی میں

اس ذیل میں وہ نظمیں درج کی جاتی ہیں جو نبی خانہ بدایوں میں سالانہ جشن میلاد کے موقع پر وقتاً فوقتاً لکھیں

(۲) (نظم شادمانی ۱۲ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ کو نبی خانہ بدایوں میں پڑھی گئی)

جسے ہم دیکھتے ہیں آج محو شادمانی ہے	مئے عشرت کا نشہ ہے کہ چہرہ ارغوانی ہے
سجا ہے آج ایسی زیب و زینت سے نبی خانہ	عیاں ہر سمت بام و در سے جشن خسروانی ہے
مسلماں شاد ہیں بشاش ہیں آپس میں ملتے ہیں	زبان حال کہتی ہے انھیں شادی منانی ہے
کوئی کہتا ہے دن ہے عید میلاد پیمبر کا	یہ دن پھر ہم کو دکھلایا خدا کی مہربانی ہے
نئی پوشاک بدلی ہے نرالی وضع یاں ان کی	کسی کی اگرئی پوشش کسی کی زعفرانی ہے
کوئی باندھے ہوئے ہے سر پہ عمامہ ملاگیری	بسنتی رنگ پر مائل کسی کی نوجوانی ہے
کسی نے گیروا کرتا کیا ہے زیب بر اپنے	کوئی ایسا چغہ پہنے ہے جس کا رنگ دھانی ہے
منادی کوئی کرتا ہے کہ آؤ خاص محفل میں	یہ صبح عید مولد ہے یہ صبح کامرانی ہے

کمربستہ غلامانِ پیمبر کام کرتے ہیں — بحمداللہ! حصے ہیں انھیں کے کامرانی ہے

بڑوں سے بھی بڑھے جاتے ہیں چھوٹے کارِ خدمت میں — سمجھتے ہیں کہ سلطانِ رسل کی میہمانی ہے

پئے خدمت سبھی خورد و کلاں ہیں ہمہ جا حاضر — پئے مہمانیٔ مولا یہ ساری میزبانی ہے

کوئی جاتا ہے تا دروازہ مہمانوں کے لینے کو — کہ استقبال ہی سے اوجِ شانِ میہمانی ہے

دُھلاتا ہے ادب کے ساتھ کوئی ہاتھ مہماں کے — یہی ہے دین کی خدمت اسی میں کامرانی ہے

طعامِ گرم لیکر کوئی دینے کے لیئے آیا — کوئی کہتا ہے پی لو صاحبو کیا سرد پانی ہے

کوئی کہتا ہے مہمانوں سے "کھانا اور بھی لاؤں" — "تکلف خاکساروں سے بعید از مہربانی ہے"

کوئی کہتا ہے مہماں کھا کے کھانا بیٹھیں محفل میں — وہاں کی حاضری میں دو جہاں کی کامرانی ہے

ملتا ہے کہیں تحسین کہیں "شاباش" خود حضرت — کہیں ہم دست بستہ "جاں فدائے قدر دانی ہے"

کوئی کھانے سے فارغ ہو کے آیا ہے سوئے محفل — کسی کے ہاتھ میں پرچہ برائے نعت خوانی ہے

کوئی کہتا ہے بٹھلاؤ سرِ منبر نظامی کو — ذرا ہم بھی سنیں مشہور اس کی خوش بیانی ہے

پئے تکمیل منبر پر نظامی آیا خوش ہو کر — سنائی یہ غزل اپنی جو گنجِ صد معانی ہے

غزل

تری اُلفت میں مرنا اے نبی! خوش زندگانی ہے — کہ اس درد و الم میں دو جہاں کی شادمانی ہے

تری شانِ نبوت کا مقابل ہو نہیں سکتا — کہ تجھ سے کوئی اول ہے نہ ہمسر ہے نہ ثانی ہے

تمھارے جلوۂ رخ میں جھلک ہے نورِ خالق کی — مرے اس قول پر صادق حدیثِ "من رآنی" ہے

ذرا آجاؤ میرے دیدہ و دل میں کرم کرکے — تصدق تجھ کو ہونا ہے یہی مدت سے ٹھانی ہے

مسخر ہے ہر اک عنصر ہیولہ مادہ تابع — مسلم دونوں عالم میں تمھاری حکمرانی ہے

جمالِ پاک پر حضرت کے وحش و طیر ہیں شیدا — شہِ کونین کا غم انس و جن کی زندگانی ہے

غلامِ بارگاہِ پاک کیا کیا فخر کرتے ہیں
سمجھتے ہیں کہ گویا اُن کے گھر صاحبقرانی ہے

چلے آئے شہِ والا مرے ٹوٹے ہوئے دل میں
مرا دل عرش ہے، کعبہ ہے، بیتِ اُمہانی ہے

خدا عاشق ہے جس کا اُس کو چاہا جھوٹ کیوں بولیں
ہمیں اللہ کو محشر کے دن صورت دکھانی ہے

خوشا تقدیرِ رنجوری کہ آئیں وہ عیادت کو
نہ رنجوری کہو اس کو حیاتِ جاودانی ہے

کہے دیتا ہوں قابو میں رہیں صبر و شکیبِ دل
کسی نے بزم میں آنے کی اپنے دل میں ٹھانی ہے

نبی خانے میں سلطانِ رسل تشریف لائیں گے
سُنا ہم نے یہ مژدہ آج اکثر کی زبانی ہے

مرے نقشِ قدم پر کیوں نہ عالم ہو جبیں فرسا
بہت مُدّت رہِ طیبہ کی میں نے خاک چھانی ہے

کہاں یثرب، کہاں جنت، خدارا واعظو چپ رہو
تمھاری کون سنتا ہے، تمھاری کس نے مانی ہے

اگر مل جائیں ہفت اقلیم بھی تو میں نہ لوں ہرگز
کہ شاہی سے زیادہ اُن کے در کی پاسبانی ہے

سُناتا ہے نظامی ذکرِ میلادِ نبی سب کو
نہ قصہ ہے سکندر کا نہ دارا کی کہانی ہے

۳۔ ربیع الاول ۱۳۲۸ھ م ۱۹۱۰ء کو نبی خانہ واقع بدایوں میں پڑھی

ماہِ میلاد آگیا، پھر رونما ہے بارھویں
پھر خوشی چھائی ہے، پھر عشرت فزا ہے بارھویں

یومِ میلادِ شہِ ہر دوسرا ہے بارھویں
مومنوں کے واسطے لطفِ خدا ہے بارھویں

پھر نبی خانہ ہوا نامِ خدا آراستہ
سال بھر کے بعد پھر رونق فزا ہے بارھویں

دور کرتا ہے سیاہی قلب کی ذکرِ نبی
دردمندانِ محبت کی دوا ہے بارھویں

وقتِ ذکرِ شاہِ دیں مقبول ہوتی ہے دعا
اہلِ ایماں کے لیے حاجت روا ہے بارھویں

مُردنی چھائی تھی جن پر اُن کو بخشی زندگی
واہ کتنی روح پرور جاں فزا ہے بارھویں

ساتھ اپنے لائی ہے عیش و مسرت کی بہار
غنچۂ دل کھل گئے وہ دل کشا ہے بارھویں

ہر مسلماں آج کے دن کیوں نہ ہو مسرور و شاد
یوم میلادِ شہنشاہِ ہدیٰ ہے بارھویں

کھینچ لیتی ہے دلوں کو ہے عجب اس کی کشش
دل ربا کیا۔ بالیقیں عالم ربا ہے بارھویں

جس کو دیکھو ہے ملاگیری عمامہ زیب سر
رنگ یک رنگی ہیں کتنی خوشنما ہے بارھویں

بزم میلادِ رسولِ حق کی ہے عالم میں دھوم
چار سو ہوتے ہیں جلسے۔ جا بجا ہے بارھویں

ہر طرف ہے باغِ عالم میں ترقیِ بہار
اپنے دم سے باعثِ نشو و نما ہے بارھویں

دیدۂ مشتاق روشن اس کے نظارے سے ہیں
مثلِ حسنِ ماہرویاں مہ لقا ہے بارھویں

اہتمام اس کا کیا جائے جہاں تک ہے بجا
یادگارِ حضرتِ خیر الورا ہے بارھویں

آج وہ دن ہے ہوا ختمِ رسالت کا ظہور
مظہرِ انوارِ حق۔ فضلِ خدا ہے بارھویں

جو رسول اللہ پر کرتے ہیں جان و دل نثار
ان کی منظورِ نظر ہے۔ دل ربا ہے بارھویں

سیدِ عالم ہوئے پیدا اسی تاریخ کو
قابلِ تعظیمِ ہر شاہ و گدا ہے بارھویں

روشنی عالم میں پھیلا دی ہے تو نے ہر جگہ
خانۂ اسلام میں تیری ضیا ہے بارھویں

نور کے سانچے میں ڈھل کر آئی ہے تیری سحر
تو منور تیرا مکھڑا چاند سا ہے بارھویں

خوش رہیں ذاکر رہے قایم نبی خانہ مدام
پھولتی پھلتی رہے تو یہ دعا ہے بارھویں

اے نظامیؔ غش نہ آجائے کہیں تجھ کو سنبھل
مثلِ برقِ طوریاں جلوہ نما ہے بارھویں

عید ولادت رحمۃ للعالمین

۱۲ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ م ۱۹۱۲ء کو نبی خانہ واقع بدایوں میں پڑھی

اے مقامِ عیدِ مولد منزلِ رفعت نشاں
ہو زمیں سے تیری شرمندہ نہ کیونکر آسماں

تیری نسبت ہے بڑی ہر بات میں اعلیٰ ہے تو
عالمِ تکویں میں ہر اک چیز سے بالا ہے تو

تو ہی ہے فردوس جنت بھی تو ہی ہے بالیقیں
ہم نے دیکھی ہی نہیں کیا چیز ہے خلدِ بریں

اُس سے نسبت ہی تجھے جس کا بڑا ہی مرتبہ
خالقِ کونین کو پیارا ہی جو سب سے سوا

کیوں نہ رحمت تجھ پہ ہو تو ہی بنا کس کے لیے
رحمۃ للعلمیں حق نے کہا جس کے لیے

دیکھنے کی تیرے بارہ ماہ سے تھی آرزو
سچ تو یہ ہی مومنوں کی آنکھ کا تارا ہی تو

سایۂ رحمت ہی یا یہ شامیانہ ہی ترا
آ کے دم لیتے ہیں اس کے نیچے مردانِ خدا

اُجلی رنگت پر تری یہ سُرخ پردوں کی بہار
اس ادا پر عاشقوں کا دل ہی سو جاں سے نثار

چاندنی ہی چاند کی یا ہی یہ فرشِ چاندنی
تیرا منظر پر فضا آرائشیں تیری نئی

عشقِ احمد سے جو ہیں بیمار زار و ناتواں
باعثِ راحت اُنھیں ہی تیری خاکِ آستاں

بارہ دن تک عیدِ مولد کی خوشی کرتا ہی تو
خوب بھر بھر کے پلاتا ہی ہمیں جام و سبو

بارھویں کی صبح تیری ہی عجب کچھ پُرضیا
یہ سحر وہ ہی کہ جس میں نورِ حق ظاہر ہوا

نور وہ جس نے منوّر کر دیا سارا جہاں
ہو گیا کافور کفر از کعبہ تا ہندوستاں

نور وہ توحید کا چمکا دیا جس نے چراغ
کھو دیا سارے جہاں سے کفر کی ظلمت کا داغ

نور وہ جو آمنہ کے گھر سے چمکا یک بیک
دہر میں باقی رہے گی حشر تک جس کی چمک

شمع وہ پروانہ تھیں جس کی حلیمہ سعدیہ
جس نے عبدالمطلب کا گھر منور کر دیا

پرتو اُس نور کا تجھ میں ہمیں آیا نظر
اے منوّر گھر اسی باعث سے تو ہی مقتدر

شادیِ مولودِ احمد آج ہی تجھ میں رچی
کیوں نہ صدقے تجھ پہ ہوں تو جانِ عشاقِ نبی

بارہ دن تک تجھ میں فکرِ خیر کے چرچے رہے
رات دن خوشیاں ہیں مولود کے جلسے رہے

اہلِ محفل آج رخصت تجھ سے ہوتے ہیں ہم — کہہ رہے ہیں سب زبانِ حال سے باچشمِ نم

باخدا اگلی برس یہ دن ہو پھر ہم کو نصیب — ہم ہوں سب احباب ہوں اور ہو یہی ذکرِ حبیب

ذکرِ احمد لب پہ ذاکر کے یوں ہی جاری رہے — اُن کے سر پہ سایہ فگن رحمتِ باری رہے

مُدعائے دل اُنھیں صدقے میں احمد کے ملے — حاضرینِ بزم بھی سب خوش ہیں چھوٹے بڑے

دور یہ طاعون ہو بندوں پہ ہو فضلِ خدا — یہ دعا مقبول ہو الٰہی برائے مصطفےٰ

یا الٰہی یہ نظامی عشقِ احمد میں مٹے
اس فنا میں لطف آئیں اُس کو عمرِ خضر کے

۵۔ ربیع الاول ۱۳۳۱ھ ۱۹۱۳ء میں [illegible] بدایوں کے لیے لکھی گئی۔

ہم ہیں اور رات دن کی ہے آفت — ہم ہیں اور اپنی گردشِ قسمت

ہم ہیں اور لطفِ سعیِ لاحاصل — ہم ہیں اور لاکھ آفت و نکبت

ہم ہیں اور صد ہزار مایوسی — ہم ہیں اور بے شمار معصیت

ہم ہیں اور وصلِ یار کا ارماں — ہم ہیں اور رات دن غمِ فرقت

ہم ہیں اور نارسائیِ تقدیر — ہم ہیں اور نامرادیِ قسمت

ہم ہیں اور جہل کی ہے تاریکی — ہم ہیں اور اپنے بخت کی ظلمت

ہم ہیں اور شورشیں زمانے کی — ہم ہیں اور دَور دورۂ نکبت

ہم ہیں اور بے زری و محتاجی — ہم ہیں اور بے نوائی و حسرت

ہم ہیں اور شور ہائے دردانگیز — ہم ہیں اور نالہ ہائے پُرحسرت

ہم ہیں خود وقفِ صد پریشانی — ہم ہیں اوروں کو موجبِ عبرت

یاد کرتے ہیں اپنے پچھلے دن — کیسی بن کر بگڑ گئی قسمت

ہم ہی ہم تھے کبھی زمانے میں — یا ہماری ہے آج یہ حالت
چاہتے ہیں ہمیں نگل جائیں — وہ جو کل تک تھے عنکبوت صفت
روم میں اپنے بھائی ہیں مضطر — کیا یہاں زندگی میں ہو لذّت
واں جو مجروح ایڑیاں رگڑیں — تندرستی میں ہم کو کیا راحت
لے خبر اے شفیعِ نوح و خضر — ہے بھنور میں سفینۂ اُمّت
سخت طوفاں بپا ہے چار طرف — تیری اُمت کی غیر ہے حالت
تو جو چاہے تو بات بن جائے — تیرے لطف و کرم کی ہے حاجت
بول بالا ہو اہلِ کعبہ کا — کفر کا سب طلسم ہو غارت
عیدِ میلاد کے تصدّق میں — دور ہو سب مصیبت و آفت
سال آئندہ آئے پھر یہ دن — ساتھ میں لائے خیر اور برکت
دینِ حق کے جو نام لیوا ہیں — اُن کی قائم رہے یونہیں عظمت
ذکر تیرا کریں بلند یونہیں — عیدِ میلاد میں بصد شوکت

آج کا روز ہے وہ یومِ سعید — ہے جو دُنیا کو مایۂ برکت
آج کے دن جو ہے خوشی ہم کو — ہے یہ بے شبہ جذبۂ فطرت
عیدِ مولد کی ہو نہ ہم کو خوشی — تو ہیں ہم سبزۂ سرِ تربت
اس کے مُنکر ہیں احمق و ناداں — ہیں گرفتارِ ذلّت و لعنت

رہے آباد یہ نبی خانہ — ذکر کی تیرے اس میں ہو کثرت
اس کے بانی پہ لطف ہو تیرا — دو جہاں میں ملے اُسے عزت
رہیں مداح سارے گرمِ ثنا — ہو قبول ان کا ہدیۂ مدحت

عیشِ عالی. زلالی شاد رہیں — ان سے ہے لطفِ مدحتِ حضرت

حاضرِ بزم جو مسلماں ہیں — اُن کی پوری ہو غیب سے حاجت

فکر روزی کی ہو جنھیں لاحق — رزق مِل جائے اُن کو بے منّت

جو پریشاں کسی مرض سے ہوں — ہو علالت سے جلد انھیں فرصت

تیرے دیدار کے جو طالب ہیں — دینے والا انھیں یہ دے دولت

دے نظامی کو بھی دُرِ مطلب

تیرے دستِ کرم کی ہے شہرت

مثنوی جلوۂ میلاد

۱۳۳۲ھ — ۱۹۱۴ء

یہ نبی خانہ میں کیا ساماں ہے آج — جس کو دیکھو مثلِ گُلِ خنداں ہے آج

کیوں خوشی سے آج سب ہیں باغ باغ — عرش پر کیوں ہے نظامی کا دماغ

حضرتِ دل کچھ تو کہیے کیا ہے آج — خیر ہے یہ طور کیوں بدلا ہے آج

چھا رہا ہے آج کیوں رنگِ بہار — آپ آتے تھے نظر کل سوگوار

کچھ تو کہیے آپ نے کیا پا لیا — کِس خوشی نے ایسا متوالا کیا

رنج و غم کا مِٹ گیا نام و نشاں — کیا سبب ہے آپ کیوں ہیں شادماں

سُن کے یہ تقریر دل نے یوں کہا — ہے یہ عیدِ مولدِ خیر الوریٰ

محفلِ اقدس کا ہے یہ اہتمام — بارھویں کی ہے یہ ساری دھوم دھام

رات ہی سے عاشقانِ مصطفیٰ — حاضرِ محفل ہیں با صدق و صفا

تھی سحر پُر نور اور جلوے نئے — لطف بزمِ خاص کے سب خاص تھے

چل رہی تھی ناز سے بادِ سحر
تھا مسیحائی کا جھونکوں میں اثر

منتظر تھے دید کے جن و بشر
اُن کو قسمت سے ملی تھی یہ سحر

حسنِ قدرت زیبِ لالہ زار تھا
سبزۂ خوابیدہ بھی بیدار تھا

تھا نزولِ رحمتِ ربِّ ودود
ہر لبِ غنچہ پہ تھا وردِ درود

ڈالیوں پر طائرانِ خوشنوا
ذوق میں پڑھتے تھے نعتِ مصطفیٰ

ماہ تھا اِک عابدِ شب زندہ دار
اور شفق گوں چشمِ انجم کا خمار

تاک میں جلوے کی ہر سیّارہ تھا
پیرِ گردوں طالبِ نظارہ تھا

حاضرینِ بزم تھے محوِ سرور
صبح کا جلوہ تھا رشکِ شمعِ طور

دو پہر کو دعوتِ احباب تھی
میزباں تھے جن کے خدامِ نبی

بارھویں کی بزم ہے اب جلوہ ریز
ہے نبی خانہ کا منظر لطف خیز

لاتے ہیں تشریف سلطانِ جہاں
اہلِ دل صدقے کریں گے نقدِ جاں

جان و دل سے ان کا استقبال ہے
ان کا آنا اِک مبارک فال ہے

میزباں ہم اور وہ مہمان ہیں
اس لیئے یہ ٹھاٹ یہ سامان ہیں

حبّذا اے شاہِ والا حبّذا
مرحبا اے میرے مولا مرحبا

آج قسمت سے حضوری ہے نصیب
آئے گھر بندے کے خالق کے حبیبؐ

بن پڑی ہے عرضِ مطلب کچھ کریں
وقت کو ہم ہاتھ سے جانے نہ دیں

کس طرف تھے اور کدھر کے ہو رہے
عمر سب غفلت میں ہیں ہم کھو رہے

عقل و دانش سے نہیں لیتے ہیں کام
اِس لیئے ابتر ہوا سارا نظام

کون ہے جو اپنی بگڑی کو بنائے
کون ہے جو پاس ہیں ڈھارس بندھائے

ہاں فقط لے دے کے ہے اک آسرا — یعنی ذاتِ پاکِ ختم الانبیا
جس کے حامی ہوں شفیع المذنبیں — غیر ممکن ہے وہ امت ہو حزیں
ان کی رحمت سے نہیں مایوس ہم — عاصیوں پر خاص ہے لطف و کرم
ہے یقیں ہم پر بھی ہو فضلِ خدا — ڈوبتی کشتی کا ہو وہ ناخدا
جس نے کی ظلمت میں پیدا آب و تاب — کر دیا اِک آن میں کیا انقلاب
مدتوں سے جہل تھا چھایا ہوا — بت پرستی میں عرب تھے مبتلا
ابنِ عبد اللہ آئے جس گھڑی — بت کدوں میں یک بیک ہلچل پڑی
قومِ خود را شد محمدؐ خضرِ راہ — عالمے باشد بریں معنے گواہ
کر دیا سونا عرب کی خاک کو — اِس زمیں پر رشک ہے افلاک کو
پھر عرب سے نور پھیلا دور دور — چھا گیا وحدت کا جلوہ دور دور
ایک عالم اس کا دیوانہ ہوا — شمعِ نورِ دیں کا پروانہ ہوا
جب صدا اللہ اکبر کی سُنی — ہوگئی پیدا دلوں میں گُدگُدی
قافلے چاروں طرف کو چل پڑے — راہِ حق میں سر ہتھیلی پر لیے
ہر طرف اسلام کا ڈنکا بجا — اور خدا کے نام کا ڈنکا بجا
زندگی ہوتی تھی عزت سے بسر — تھا عرب گنجینۂ علم و ہنر
یہ سبق ہم کو ازل سے یاد تھا — لیس للانسان الّا ما سعیٰ
تھی نظر میں منظرِ وحدت کی دید — بادہ میخوردیم و باران مےچکید
غلغلہ ہے اب نہ وہ شان و شکوہ — مبتذل کہلاتا ہے اپنا گروہ
یک بیک گہنا گیا مشرق کا چاند — آں قدح بشکست و آں ساقی نماند

ہو عراقش یا ہو ٹرکی یا ہو چین — ہر جگہ ہے تنگ مسلم پر زمیں
ہے مصیبت مسلموں کی مشترک — ہٹ نہیں سکتی۔ ہے ایسی مشترک
جس گلے میں رشتۂ اسلام ہے — ہے وہ مسلم اُس کا مسلم نام ہے
ہے وہ رشتہ رشتۂ عشقِ نبیؐ — مست ہیں اس جامِ الفت سے سبھی
حشر تک یہ دورِ دل قایم رہے — نشۂ جامِ نبیؐ دایم رہے
ہو ضیا افگن صراحی کی جھلک — جامِ بلّوریں بنے ماہِ فلک
یا الٰہی رنگ یہ پھیکا نہ ہو — بے خودی میں ہوش کی پروا نہ ہو
اہلِ محفل نشہ میں ڈوبے رہیں — ہر زباں پر نعت کے چرچے رہیں
غش میں ہوں سُنکر نظامی کا سخن — کہہ اُٹھیں برجستہ اہلِ انجمن
ساقیا برخیز و در دہ جام را — خاک بر سر کن غمِ ایّام را
قولِ حافظ سے بڑھے جوش و خروش — لوٹ ہوں اس میکدہ کے بادہ نوش
نعت کا نقشہ جما کر برمحل — میں سُناؤں ایک مستانہ غزل

غزل

چل رہا تھا جامِ عرفاں ایک دن — کیف میں تھے اہلِ ایماں ایک دن
موج زن میخانۂ اسلام تھا — رنگ میں ڈوبے تھے انساں ایک دن
کیا ہوئیں یارب وہ بزم آرائیاں — ہاں! مسلماں تھے مسلماں ایک دن
ٹیس دل کی یا نبیؐ جاتی رہے — درد کا ہو جائے درماں ایک دن
کیا عجب جمعیتِ خاطر سے مٹے — دفترِ خوابِ پریشاں ایک دن
ہمتیں ٹوٹی ہوئی بندھ جائیں گی — ہو رہے گا طے بیاباں ایک دن

وہ ہوں پلّے پر تو ہم گھبرائیں کیوں	مشکلیں سب ہوں گی آساں ایک دن
رات دن لکھیں کراماً کاتبین	چاک ہوگی فرد عصیاں ایک دن
اے نظامی آئے گی وہ بھی گھڑی	ہوں گے ہم حضرت کے مہماں ایک دن

۱۲ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ (۱۹۱۶ء) کو نبی خانہ واقع بدایوں میں پڑھی گئی۔

دلوں میں ہے اک جوش لب پر ہیں نالے	نبی خانہ میں آئے ہیں درد والے
عجب لطف کا دن ہے عیدِ ولادت	مئے عشق کے چل رہے ہیں پیالے
بھڑکنے لگا ایک شعلہ سا دل میں	ابھر آئیں چوٹیں ہوئے زخم آلے
ہر اک قطرے سے روشنی چھن رہی ہے	مئے ناب کے جام ہیں دل کے چھالے
ہماری نگاہیں اُنھیں ڈھونڈھتی ہیں	وہ دیکھو وہ سوئے ہیں اللہ والے
وہی تو ہیں اس بزم اقدس کے بانی	اُنھیں شانِ رحمت گلے سے لگالے
یہ ہے بزم میلاد اُن کی جنھوں نے	توحّد کے سانچے میں انسان ڈھالے
پڑی دہر میں شورِ وحدت سے ہل چل	تزلزل میں آئے کلیسا شوالے
رہِ عقل میں کہہ رہی تھیں نگاہیں	کدھر ہیں وہ آغوشِ فطرت کے پالے
حرم میں نظر آئی آخر تجلّی	جسے ڈھونڈھتے تھے سب اللہ والے
چلے اس طرح بادِ عرفاں کے جھونکے	کہ اُڑتے پھرے فلسفے کے رسالے
کیا سجدہ سر رکھ دیا راہِ حق میں	پھرے اپنے مرکز سے الحاد والے
وہ قومیں ہوئیں جلوۂ حق پہ مائل	تحیر میں تھیں جو اندھیرے اجالے
سمجھیں ہو بہو رازدارِ حقیقت	جو پیچیدہ عقدے تھے سب کھول ڈالے
ترقی کی راہوں میں رہبر بنے تم	تمدّن کی وادی میں رستے نکالے

نہ تھا صرف قرآں شناہی ہمارا
گزشتہ کتابوں میں بھی تھے حوالے

بنے وہ مسلمان وہ ایمان لائے
جو آئے مقابل میں تیغیں سنبھالے

رہے بزمِ اسلام میں جلوہ فرما
بڑی آن والے بڑی شان والے

عمرؓ اور خالدؓ سے جانباز جنرل
شجاعت میں تھے فرد جن کے رسالے

وہ فن جن پہ نازاں ہیں یورپ کی قومیں
ہمارے چبائے ہوئے ہیں نوالے

کبھی علم و فن سے تھے نشانی ہماری
مگر آج ہم ہیں مسلماں نرالے

نہ ہیں مجلسوں میں ترقی کے چرچے
نہ ہیں علم والے نہ اخلاق والے

ٹٹولا جواب ہم نے سرمایہ اپنا
نظر آئے تکفیر کے کچھ رسالے

برا وقت ہے ناؤ منجدھار میں ہے
خدا قوم کو ڈوبنے سے بچالے

بڑھا تو نہ اس دردِ انگیز لے کو
نظامیؔ ہمیں پڑ گئے جی کے لالے

دعا کر دعا کر کہ ہنگامِ محشر
گناہوں کو دامانِ رحمت چھپالے

(۸) کوہِ حرا میں حضورِ رسالت مآب کا ذکرِ شغل

بہ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ کو نبی خانہ واقع بدایوں میں پڑھی

گھٹا گھنگھور تھی اُمڈے ہوئے تھے جہل کے بادل
اندھیرا چھا رہا تھا ہر طرف کفر و ضلالت کا

مٹیں سب زحمتیں ہوں رحمۃ للعالمیں پیدا
تقاضا ایسی حالت میں یہ تھا حق کی حمیت کا

جنابِ مصطفیٰ جب آمنہ کے گھر ہوئے پیدا
مٹایا نورِ احمد نے جہاں سے نام ظلمت کا

وہ یوں آئے جہاں میں ڈال دی بت خانوں میں ہلچل
بگاڑا کھیل دم بھر میں بتوں کی شان و شوکت کا

وہ یوں آئے نفاق و بغض کو پامال کر ڈالا
وہ یوں آئے کہ تحفہ ساتھ میں لائے اخوت کا

وہ یوں آئے دکھا دی راہِ حق گم گشتہ راہوں کو
کہ اہلِ دہر پروانہ بنے شمعِ ہدایت کا

وہ کیا آئے کہ آئی عہد ہاشم کے قبیلے میں / بہارِ شادمانی بن گیا مژدہ ولادت کا
جواں ہو کر بٹھائے عدل و صدق و رحم کے سکے / لڑکپن میں ملا تھا آپ کو تمغہ امانت کا
ابھی طے ہو رہی تھی عمر کی چالیسویں منزل / کہ راہِ شوق میں آیا نظر جادہ نبوت کا
نظر آتے تھے گوہر معرفت کے ریزے ریزے میں / بنا تھا ذرّہ ذرّہ آئینہ مہرِ حقیقت کا
زمانے سے الگ رہ کر خدا کی یاد کرتے تھے / حرا کی گھاٹیوں میں شغل رہتا تھا عبادت کا
عبادت کیا تھی زینِ معرفت تھی فکرِ پیہم سے / عبادت کیا تھی سرمایہ تھی غور و خوض و عبرت کا
عبادت کیا تھی نگارنگ تماشے تھے ہوا ہستی کے / عبادت کیا تھی اک نظارہ تھی مخصوص طاعت کا
نظر آتی تھی موجودات کی ہر ایک شے فانی / عبادت کیا تھی اک آئینہ تھی عقل و فراست کا
قمر کی ضو، ستاروں کی جھلک، خورشید کی تابش / جو کچھ سامان تھا بزمِ فلک کی زیب و زینت کا
یہ سب چیزیں تھیں اک تصویرِ فانی آپ کے آگے / کہ تھا انجام میں اعجاز اُس چشمِ بصیرت کا
کبھی کہتے تھے میں کیا ہوں تماشائے جہاں کیا ہے؟ / نتیجہ کیا ہے ہستی کا معمّا کیا ہے فطرت کا؟
کبھی کہتے تھے عالم کیا ہے اس کی انتہا بھی ہے؟ / کبھی کہتے تھے حاصل کیا ہے اس ہنگامِ کثرت کا؟
حرا کی گھاٹیو! تم مخزنِ اسرارِ حق ہو / تمہیں اے طور کی چوٹی! بڑا دعویٰ ہے رفعت کا
تمہارے دم سے یادِ آثار کی تازہ ہے اے کھنڈرو! / تمہیں ہے عالمِ تاریخ میں دعویٰ قدامت کا
چمکتے ہیں تمہارے ذرّے اے صحرا کے میدانو! / مجھے بھی کیا بتا سکتے ہو کوئی راز وحدت کا؟
زبانِ حال سے یہ سب کے سب اس طرح بول اُٹھے / کہ ہم فانی ہیں خود عالم ہے طاری ہم پہ حیرت کا
بنی ذوقِ تحیّر فکر کی ہنگامہ آرائی / اُٹھایا لطفِ غارِ ثور کی خلوت میں جلوت کا
جو دیکھا عالمِ رویا میں آخر وہ رہا ہو کر / وہ تھا اک خواب کا عالم کہ زینہ تھا نبوت کا
تجلّی بن کے وہ پیشِ نظر تھا بے حجابانہ / نقابِ غیب میں پنہاں جو تھا جلوہ رسالت کا

جو کچھ عقدے تھے سب حل ہو گئے وحیِ الٰہی سے
کہ اقراء باب اوّل تھا دبستانِ حقیقت کا

اسی ذاتِ مقدس نے بنایا سارے عالم کو
کہ اس ایجادِ گوناگوں سے کیا منشا ہے قدرت کا

بجا توحید کا ڈنکا ہوا اسلام کا چرچا
نمونہ بن گیا انسان اخلاص و محبّت کا

نظامی کی دعا ہے کشتیِ مسلم بچے زد سے
الٰہی غیب سے سامان ہو اُس کی حفاظت کا

کرم کی ہو نگہ اُن پر تمھاری اے رسول اللہ
جنھیں منصب ملا ہے قوم و ملت کی حمایت کا

خدایا خوش رہیں آصف کہ اُن سے نام روشن ہے
سخاوت کا شجاعت کا عدالت کا شریعت کا

۱- قطعہ ۱۳۳۷ھ مطابق ۱۹۱۸ء دوران ڈیوٹی حیدرآباد میں لکھا۔

نظامی خیر تو ہے گھر سے کیوں نکلے ہو تم باہر
تمھارے پاؤں کی زنجیر بھی کیا بن گئی چکر

یہ کیا سودا ہوا ہے کس لیے صحرا نوردی ہے
بنا ہے آج کل شوقِ جنوں انگیز کیوں رہبر

خبر بھی ہے تمھیں کچھ ماہِ میلادِ نبی آیا
نبی خانے میں پھر ہے اہتمامِ مولدِ سرور

غلافِ کعبہ بر میں زیبِ سر سہرا ہے پھولوں کا
دلہن کی طرح پھر آراستہ ذاکر کا ہے ممبر

کہیں گلہائے رنگیں ہیں کہیں خوش رنگ گلدستے
در و دیوار پر چھپتا ہے کیسا کاغذی زیور

اگر کی بتیوں سے ہے معطر انجمن ساری
دلِ سوزاں کو ٹھنڈک دیتی ہے لوبانِ مجمر

تنا ہے شامیانہ سر پہ الطافِ الٰہی کا
یہ جلوہ بزمِ اقدس کا ہے یا ہے خلد کا منظر

ارادہ ہے یہ رحمت کا انھیں آغوش میں لے لے
حضورِ قلب سے حضّار حاضر ہوں جو یاں آ کر

مبارک ہو تمھیں اے حاضرینِ محفلِ اقدس
حجابِ قدس کے پردے کھلیں گے تم پہ سرتاسر

دکھائیں گے وہ جلوہ تم کو ہاں ہشیار ہو جاؤ
گئے تھے عزت و اجلال سے جو عرشِ اعلیٰ پر

اگر خوش قسمتی سے اک جھلک تم کو نظر آئے
کھڑے رہنا نظر نیچی کیے اپنی جھکائے سر

تجلی طور کی فرشِ زمیں پر پھیل جائے گی
سمجھ لو نورِ خالق بزم میں ہوگا ضیا گستر

ذرا جود و کرم کو دیکھنا شاہ دو عالم کے
کہ ہیں حد سے زیادہ مہرباں وہ اپنی اُمت پر

گنہگاروں کو اپنے پوچھنے تشریف لائے ہیں
جلو میں آپ کی ہے شانِ بخشش رحمتِ داور

قبائے "رحمۃ للعالمین" ہے اگر بر میں
تو "کرمنا بنی آدم" کا ہے تاجِ شرف سر پر

غلامی میں ہے حاضر ذاکرِ احمدؐ سا شیدائی
بڑی تقدیر ہے اس کی نصیبے کا ہے اسکندر

حضوری اُس کو ملتی ہے شرف اُس کو یہ ملتا ہے
خودی کو بھول جائے جو مٹا دے آپ کو یکسر

نظامی خواب سے جاگو نہ تم یوں گر پڑیں بلو
بدایوں کی سحر ہے صبحِ جنت سے کہیں خوش تر

ملا ہے وقت قسمت سے آنکھیں مل کے اُٹھ بیٹھو
فروغِ صبحِ ایماں ہے یہ صبحِ مولدِ سرور

حضوری میں ہو حاضر پھل ہے یہ نخلِ عقیدت کا
دُعا جو دل سے مانگوگے وہ ہوگی آج بار آور

دکن میں چاند دیکھا عید کی آکر بدایوں میں
کشش کہتے ہیں اس کو یوں بلاتے ہیں کرم گستر

(۱۰) ۱۳ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ م ۱۹۱۹ء کو بنی خانہ واقع بدایوں میں پڑھی

کیا ہوئی وہ شان و شوکت کیا ہوا بختِ جواں
مٹ گیا دورِ ترقی، ساز و ساماں ہیں کہاں

بیکسوں کو خون کے آنسو رُلانے کے لیے
رہ گئے ہیں داغ بن کر عہدِ رفتہ کے نشاں

آہ وہ اسلام کا اعجاز، وہ روحانیت
ذرہ ذرہ تھا عرب میں معرفت کا راز داں

اے قبا کی سرزمیں! اے عالیہ کے بام و در
رشکِ جنت نہ ہوں کیونکر تمھاری چوٹیاں

تم وہی ہو جن کے ذروں نے کیا تاروں کو ماند
تم وہی ہو جن سے شرمندہ تھا چرخِ زر فشاں

تم وہ ہو ایسی کشش رکھتے ہو اپنی خاک میں
ہو گئے حضرت تمھارے واسطے بے خانماں

گھر سے یوں نکلے کہ ڈنکا بج گیا اسلام کا
شور تھا "توحید کا وہ لیکے آتے ہیں نشاں"

دید کا تھا شوق وا تھے دیدہ ہائے انتظار
منتظر تھے میزبانی کے لیے پیر و جواں

بھولے پن سے ننھے بچے کہہ رہے تھے بار بار
آ رہے ہیں مکہ سے پیغمبرِ فخر الزماں

ہر قبیلے کی نگاہیں شوق سے بیتاب تھیں
ڈھونڈھتی پھرتی تھیں وادی میں کفِ پا کا نشاں

کھل گئی تقدیر ان کی پائی منہ مانگی مراد
دور سے آتے جو دیکھا برگزیدہ کارواں

کہہ اٹھے بے ساختہ "چمکا ستارا بخت کا
میزباں ہم اور محبوبِ خدا ہیں میہماں"

آپ نے آتے ہی اک مسجد کی ڈالی داغ بیل
جس کے ہر ذرے سے شانِ ہاہوتی تھی عیاں

بے تکلف کام کرتے آپ مزدوروں کے ساتھ
سنگ ہاتھوں میں نہ ہاں پر شکرِ خلاق جہاں

کہہ رہا تھا ہر عقیدت مند "ہیں ایسا غضب!
آپ رہنے دیں اٹھا لیں گے یہ بارِ گراں"

تھے وہ خوش قسمت جو اس مسجد کے مزدوروں میں تھے
سر پہ ان کے بوجھ تھا اور یہ سخن وردِ زباں

"حبذا! اے بانیٔ تعمیر تیرے ہاتھ سے
ایک جنبش میں مٹا کفر و ظلمت کا نشاں"

کیوں نہ ہو تعمیرِ مسجد کامیابی کی نمود
آخرت میں کام آئیں گی یہ قرآں خوانیاں"

یادِ مولا میں پلک جس کی نہ جھپکی رات بھر
اس کی نظروں میں بندھا صبحِ تمنا کا سماں

اک خدائی دوڑ نکلی خیر مقدم کے لیے
جب قبا سے شہر کی جانب چلے باعز و شاں

عالیہ کے جس قدر انصار تھے ہمراہ تھے
کہہ رہے تھے جوش میں سارے مدینے کے جواں

"آفریں صد آفریں صدقے ہو تم پر مال و زر
مرحبا صد مرحبا! تم پر نچھاور نقدِ جاں"

"گھاٹیوں سے چاند نکلا شکرِ حق واجب ہوا"
یہ ترانہ گا رہی تھیں شاد ہو کر لڑکیاں

گھر میں بو ایوب کے اترا خدا کا نورِ خاص
فضلِ حق سے ہاتھ آیا ان کو ذوقِ جاوداں

اس جگہ اک اور مسجد آپ نے تعمیر کی
لاکھ اس میں سادگی تھی پھر بھی تھی شانِ جناں

تھے شہنشاہِ دو عالم پیکرِ معمار میں
اور مدد کے واسطے حاضر تھے ان کے قدرداں

اب وہی مسجد نبی کے نام سے مشہور ہے
آج شاہنشاہِ کُل آرام فرما ہیں جہاں

بیکسوں کے چارہ فرما! ہے کچھ اُمت کی خبر
آہ یہ پھولا پھلا گلشن ہوا نذرِ خزاں

المدد طیبہ کے والی! لُٹ گئی ساری بہار
بلبلِ اسلام اب رہنے کو ہے بے آشیاں

اس طرح ہے اس کی ہستی مجمعِ اغیار میں
جس طرح بتیس دانتوں میں اکیلی ہو زباں

میٹ دے گردش زمانے کی کہیں ایسا نہ ہو
دہر میں رہ جائے باقی داستانِ پاستاں

اے نظامیؔ دورِ موجودہ کو کیا روتے ہیں آپ
آگے آگے دیکھیے کیا کچھ دکھائے آسماں

۱۱- اسلام اور خلافتِ الٰہی کی بنیاد

۲۰ [illegible] ۱۹[illegible]ء / ۱۳۴۹ھ میں نبی خانہ واقع بدایوں میں پڑھی گئی

یہ دہر میں ہے تقاضائے گردشِ ایّام
نمودِ صبح سے ہو جلوہ ریز رحمتِ عام

شعاعِ حسن سے خلوت نشین ہے لیلیٔ شب
طلوعِ مہر سے ہو پردہ پوش ماہِ تمام

ضیائے نور سے ہو محو تابشِ انجم
نسیمِ صبح بچھائے سرور و کیف کا دام

نہ ہوں گناہ کے بادل نہ قہر کی ہو گرج
عمل کسی کے نہ ہوں مشکلِ گیسوئے شب فام

وہ روشنی ہو نہ تاریکیاں رہیں باقی
فروغِ جلوۂ تاباں ہو لمعۂ الہام

چمن چمن کی فضا پر ہو اک نیا عالم
عرب بہار سے معمور ہو۔ منور شام

خدا کے حکم سے پوری ہوئی دعائے خلیل
زہے نصیب کہ تشریف لائے خیرِ انام

متاعِ لطف کی ارزانیاں ہوئیں کیا کیا
درِ جواد سے مخلوق کو ملا انعام

رہی نہ اہلِ قبائل میں کشمکش باقی
بنے وہ ایک ہی آقائے نامور کے غلام

ہوئی رسول کو حاصل حکومتِ دارین
بنا حضور کا دربار عدل گاہِ انام

صلاح کار رہیں بے شک زمین کے وارث | بنا تھا نغمۂ جاوید یہ خدا کا پیام
حریفِ جوشِ عداوت تھی قوتِ اخلاق | کیا جو آپ نے وہ کر سکے نہ رستم و سام
دکھا سکے نہ کماندار تیر اندازی | نہاد روں کی ہوئی تیغ اندرونِ نیام
زبانِ پاک سے نکلی صدائے آزادی | رہا قفس نہ گرفتاریاں نہ حلقۂ دام
سیاسیات میں بے مثل آپ کی رائیں | معاملات میں بے لوث آپ کے احکام
صفائے روح تھی وحدت پرستیِ ملت | بقائے امن تھا آئین و عدل کا انجام
رہے عرب کے خزانے کے قابض و مالک | بنے نہ طالبِ زر پھر بھی شاہ ذوالاکرام
ہوئے نہ کام و دہن آشنائے لقمۂ تر | کیا نہ خلعتِ شاہانہ زینتِ اندام
نہ فرش ہائے مکلف نہ پردۂ رنگیں | نہ گھر میں کوئی سجاوٹ نہ رونقِ در و بام
بنا دیا مئے عرفاں سے مست عالم کو | کبھی ہوئی نہ تمنائے ساغرِ گلفام
نہ تاج و تخت کی پروا نہ حاجتِ درباں | مگر تھے زیر نگیں قوم کے صغار و عظام
ہوئے وہ شیر و شکر دل کے تھے جو نیک سرشت | الگ الگ رہے محبوبِ حق سے نافرجام
دکھائی شانِ حکومت گلیم پوشی میں | نہ کھلی نمایشِ کسریٰ نہ شوکتِ بہرام
غرض خلافتِ حقہ کی یہ نہ تھی ہرگز | خدا کے ملک میں قایم ہو خود سرانہ نظام
یہ تھا حضور کی آمد کا مقصدِ اعظم | کہ دیں تمام خدائی کو دعوتِ اسلام
بڑھائے تزکیۂ نفس ذوقِ روحانی | ادب سے کوچۂ اخلاق میں ہوں محوِ خرام
دریغ ہم نے بھلائے اصولِ پیغمبر | فغاں! کہ ہو گئے دنیا جہان میں بدنام
جو راہِ صدق میں ملت ہو حوصلہ فرسا | شریعتِ نبوی پھر بنے سبیلِ دوام
یہی ہے نذرِ نظامی یہی ہے ہدیۂ شوق | ہزار بار نبیؐ پر درود اور سلام

(۶۲) دعائیہ نظم سنہ ۱۳۴۱ھ / ۱۹۲۲ء

پایا کبھی نہ منزلِ مقصود کا نشاں
آوارہ گردیوں میں ہوئی عمر رائیگاں

چھانا ہی چپّہ چپّہ اُڑائی جہاں کی خاک
پھر بھی نظر سے دور رہی گردِ کارواں

ہُو کا مقام اور وہ صحرائے پُر خطر
نشتر کی طرح خار نکالے ہوئے زباں

جکّڑ ہیں باد اور بگولوں کا زور شور
طوفانِ خاک اور قیامت کی آندھیاں

مایوسیوں نے توڑ دیئے دل کے حوصلے
پُر پیچ راہ اور یہ دشوار امتحاں

یوں ہو تیلاشی راہ میں مشکل سے کا سامنا
پتھر پڑیں نصیب پہ۔ ہیں اور سختیاں

بے تابیوں میں کٹ گئیں راتیں شباب کی
وہ انتظارِ صبح وہ اختر شماریاں

صد گونہ اضطراب میں ہر دن پہاڑ تھا
حرمان و یاس و درد بنے دل کے میہماں

حالِ کشاکشِ غمِ ہجراں نہ پوچھیے
وہ کشمکش میں جانِ حزیں تھی کہ الاماں

مونس نہ تھا کوئی نہ کوئی غم گسار تھا
وہ حسرتوں کا جوش وہ اندوہ کا سماں

آئی صدائے غیب ذرا آنکھ کھول تو
دل نے کہا حواس کدھر ہوش ہیں کہاں؟

بولا سروش اب تو ہوائیں کچھ اور ہیں
تصویرِ انقلاب ہے۔ نیرنگِ آسماں

غل ہے کہ بارھویں ہے فزوں بزمِ خلد سے
ہیں خانہ نبی میں وہ زینت طرازیاں

ہے قدسیوں میں شور کہ آنے کو ہیں حضور
بن جائے گا بہشت کا ہم پایہ یہ مکاں

موقع ہے عرضِ حال کا غفلت روا نہیں
رحمت کا عین وقت ہے یہ بات پھر کہاں

مطلعِ ثانی

اے آفتابِ عدل شہنشاہِ دو جہاں
اے واقفِ رموزِ شریعت کے رازداں

اے ماہرِ خفی و جلی۔ خاصہ خدا
عرفاں کی رسع بابِ حقیقت کے پاسباں

اے بیکسوں کے یار غریبوں کے چارہ ساز
سُن لیجیے خدا کے لیے غم کی داستاں

کل تک ہرا بھرا تھا جو اسلام کا چمن
اغیار آج اس پہ گراتے ہیں بجلیاں

دورِ گزشتہ کیا ہوا ہم ہیں نہ وہ عروج
اب بھی وہی زمیں ہے وہی رنگِ آسماں

وہ قوم آج ضعف و نقاہت سے ہے نڈھال
کل جس کے رعب و داب سے حیرت میں تھا جہاں

بدلی ہیں جس نے تیغ کے سایہ میں کروٹیں
"سو سو طرح دیئے ہیں شجاعت کے امتحاں

گھیرے ہوئے ہیں اس کو حریفانِ سنگدل
بتیس" دانت میں ہو گھری جس طرح زباں

بندہ نواز اس پہ کرم کی ہو اک نظر
مائل ہو زندگی کی طرف "قومِ نیم جاں

پھرتی ہو تن میں دل میں شجاعت کے حوصلے
یوں دوڑ جائے برق صفت طاقت و تواں

ساماں وہ غیب سے ہوں کہ باطل کو ہو شکست
توحید کا زمانے میں سکہ ہو پھر رواں

اسلام کی مدد پہ جو غازی کمال ہیں
اُن پر کرم ہو آپ کا اور لطفِ بیکراں

پھر ہو وہی شکوہ وہی شان و دبدبہ
دُہرائے اگلے دور کو بغداد و صفہاں

حسنِ قبول کے لیئے بے چین ہے "دُعا"
بے "تاب ہیں اثر کے لیئے "نالہ و فغاں"

روشن حضور پر ہے نظامی کا حالِ دل
کب تک سُنائے اپنی مصیبت کی داستاں

(۱۴۳) ۱۲ ربیع الاول شریف ۱۳۴۲ھ / ۱۹۲۳ء کو نبی خانہ واقع بدایوں میں پڑھی گئی

وہی محفل ہے وہی ہم ہیں وہی منظر ہے
بارک اللہ کہ پھر جشنِ نبیؐ کے گھر ہے

مے پرواز جبیں سائے درِ سرور ہے
وہی سجدے ہیں وہی سر ہے وہی پتھر ہے

وہی رندانہ ادا ہیں وہی اندازِ سرور
وہی مے نوش وہی جام وہی ساغر ہے

وہی ساقی ہے وہی مست وہی میخانہ
وہی نشہ ہے وہی کیفِ مئے کوثر ہے

وہی نغمے ہیں وہی لطفِ ترانہ سنجی
وہی جلسے ہیں وہی جشنِ طرب گھر گھر ہے

وہی زیبائشِ قدرت ہے وہی رنگِ بہار
وہی رعنائیِ گلشن ہے وہی منظر ہے

نخل بُوٹا کرنے لگا یا جو نبی خانے میں
لِلّٰہِ الحمد وہ شاداب ہے بارآور ہے

یہ نبی خانہ ہے یا میکدۂ حبِّ نبی
مست حضار ہیں اور آنکھ بھی ساغر پر ہے

نہ ہو جس بزم میں ساقی تو وہ محفل سونی
شکرِ صد شکر کہ ساقی بھی کرم گستر ہے

کہہ رہے ہیں در و دیوار نبی خانے کے
آج وہ آئے ہیں تو جن کے لیے مضطر ہے

میزباں جس کا خدا خود تھا شبِ اسریٰ میں
زہے قسمت کہ وہ مہمان ہمارے گھر ہے

آپ کی شانِ شفاعت پہ کیوں دل ہو نثار
یادگارِ شبِ معراج یہی منظر ہے

آپ کا حسن ہے اعجاز کی شانِ دلکش
آپ کے عشق کا سودا ہے ہمارا سر ہے

حُبِّ احمد بھی کوئی راز ہے کیوں اس کو چھپائیں
دل میں پوشیدہ ہے جو بات وہی لب پر ہے

ہنا سے مجھ کو مدینے میں بُلا لو مولا
یاد میں آپ کی بے چین دلِ مضطر ہے

کیا کریں رہ کے یہاں ہے وہ زمانہ بدلا
دوست سمجھو جسے دشمن سے بھی وہ بدتر ہے

نہ اخوت ہے نہ یاروں میں محبت باقی
اور اگر ہے کہیں موجود تو وہ کمتر ہے

جورِ گردوں کی حکایت ہے کہ افسانۂ طول
شکوۂ سنجیِ زمانہ ہے کہ اک دفتر ہے

موت آجائے تو مل جائے حیاتِ جاوید
زندگی کیا ہے ہمارے لیے دردِ سر ہے

حذر اے یاس کہ محرومِ تمنا ہوں میں
دور اے درد کہ شیرازۂ دل ابتر ہے

گریۂ جوشِ ندامت سے بھرے ہیں جل تھل
چشمِ پُر نم ہے تو دامن بھی ہمارا تر ہے

رکھتے ہیں نعت کے اشعار قیامت کا اثر
ان میں خنجر ہے کوئی اور کوئی نشتر ہے

اے نظامی نہیں تو صاحبِ تقویٰ تو نہ ہو
حلقۂ اُلفتِ محبوب سے کب باہر ہے

(۱۴) ربیع الاول ۱۳۴۳ھ / ۱۹۲۴ء کو نبی خانہ واقع بداوں میں پڑھی گئی

آیا ہے مہِ مولد، ہے جوشِ سخن دانی — عشاقِ نبی خانہ ہیں محوِ غزل خوانی
یک گونہ فراہم ہے شیرازۂ تمنا کا — جمعیتِ خاطر سے ہے دور پریشانی
پروانے اسی کے سب ہیں پاسِ محفل ہیں — جس شمع کا تھا جلوہ حسنِ مہِ کنعانی
خدامِ نبی خانہ کچھ اور ہوا ہیں ہیں — چیونٹی سے سلیماں کی بن آئی ہے مہمانی
اے چارہ گرِ امت اے دادرسِ عالم — اے باعثِ جز و کل اے پیرِ نورِ ربانی
وہ خُلقِ حسن تیرا دشمن بھی ہوئے نادم — تھی اپنی جفاؤں پہ خود اُن کو پشیمانی
داخل ہوئے بالآخر وہ حلقہ بگوشوں میں — سب چھوٹ گئے اُن سے اندازِ ستم رانی
توحید کے مرکز میں پنہاں تھی کشش ایسی — اک رنگ میں ڈوبے تھے ایرانی و تورانی
وہ طرزِ تمدن تھی اغیار کو سکتا تھا — تھی حسنِ ترقی سے اقوام کو حیرانی
فاران کے نغموں سے تھی گرمیِ ہنگامہ — شعلے کی طرح بھڑکا ہر جذبۂ وجدانی
ایک رازِ حقیقت تھا ایک عقدۂ وحدت تھا — معراج کا وہ جلوہ وہ عالمِ روحانی
اصحاب کا فدیہ ہے مشہور زمانے میں — تاریخ کی رونق ہے انصار کی قربانی
اب ہم کو دکھاتی ہے نظارۂ حسرت زا — اُجڑی ہوئی بستی میں چھائی ہوئی ویرانی
ہم ایک تماشا ہیں عالم ہے تماشائی — نیرنگیِ عبرت ہے اندازِ پریشانی
تعلیم کا گھاٹا ہے اور پھوٹ ہے آپس میں — افلاس کا دورہ ہے اور بے سروسامانی
یا غم کدہ یکسر ہے محروم شعاعوں سے — یا مہر و مہِ گردوں کرتے تھے نگہبانی
وہ مرتبہ حاصل تھا ہم خاک نشینوں کو — نظروں میں نہ جچتی تھی کچھ شوکتِ ساسانی
اک بات سمجھتے تھے ہم دبدبہ کسریٰ کا — ایک کھیل سمجھتے تھے اورنگِ سلیمانی

قایم ہے نہ وہ شوکت باقی ہے نہ وہ ہمت
ہر چیز گنوا بیٹھے ہم واہ رے نادانی

پھر قوم حزیں کا ہو اقبال بلندی پر
پھر علم کے چرچے ہوں دولت کی فراوانی

ڈرتے ہیں حوادث سے ہو پھر نہ غضب نازل
اک قہرِ الٰہی تھی اس سال کی طغیانی

دریا کا ابل پڑنا سچ مچ کی قیامت تھی
پُر شور تھیں کیا لہریں سیلاب تھا طوفانی

چلتی ہوئی دھاروں سے مسدود تھیں سب راہیں
جنگل تھی سب آبادی تھا چار طرف پانی

رہتی تھی جہاں خلقت بہتے تھے وہاں دریا
قصبوں میں تھا سناٹا قریوں میں تھی ویرانی

اندوہ و غم و حرماں راحت سے بدل جائیں
ہاں جوش میں آ یک دم اے رحمتِ یزدانی

طاری ہے نظامی پر غم مرگِ زلالی کا
کیا خاک دکھائے وہ اشعار میں جولانی

عرضِ حال بحضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

۱۲؍ ربیع الاول شریف ۱۳۴۴ھ / ۱۹۲۵ء

(۱۵)

کیا ہوا وہ موسمِ گل اور سامانِ بہار
کیا مصیبت دیکھ کر چشمِ فلک ہے اشکبار

وقفِ پامالی ہے سبزہ گل گریباں چاک ہیں
رنگِ رفتہ ہے بیاضِ دیدہ ہائے انتظار

کس قدر عبرت فزا ہیں نالہائے عندلیب
جن کو سن کر وہ مجذوب ہیں آج سرو جویبار

نالہ پُر غم ہے غنچوں کے چٹکنے کی صدا
برقِ سوزاں کی تڑپ ہے اضطرابِ قلبِ زار

دفعتاً صحنِ گلستاں میں اداسی چھا گئی
ہو گیا وقفِ خزاں یکلخت سامانِ بہار

بلبلیں روتی ہوئی ہوتی ہیں رخصت باغ سے
فصلِ گل کا تھا طلسمِ رنگ بونا پائدار

وہ بھی کیا دن تھے کہ جب سرسبز تھا باغِ حجاز
مومنوں کے خون سے سینچے گئے تھے برگ و بار

اب تو ہے سامانِ وحشت رنگِ گلشن سے عیاں
ہر روش ہے اس کی مثلِ سنبلستاں پیچدار

اہلِ طیبہ ہو رہے ہیں سب پریشان و ملول
فوجِ اعدا نے کیا جب سے مدینے کا حصار

مرقدِ حمزہ پہ حملہ اور طائف پر ستم
ایسی بے دینی پہ دعویٰ ہے کہ ہم ہیں دیندار

قبۂ خضرا[1] نشانہ گولیوں کا بن گیا
ان جفاؤں سے نہ کیوں دل مومنوں کا ہو فگار

اب کہاں مکہ میں باقی ہے براہیمی مقام
خیر کعبے کی نہیں گرہیں یہی لیل و نہار

مسجدوں تک کو گرایا آہ یہ کیسا غضب
عہدِ ہجرت رکھیں گے باقی ہم نہ کوئی یادگار

ہوگئی نابود قبرِ ابنِ عمِ مصطفےٰ
کھود ڈالا حضرتِ بی بی خدیجہؓ کا مزار

رفتہ رفتہ عہدِ رفتہ کے مٹا دیں گے نشاں
ان کی بے معنی سیاست کا ہی ہے یہ مدار

اے خدا اہلِ مدینہ پر ہو رحمت کا نزول
اشقیا کے ظلم کا ہو نے نہ پائیں وہ شکار

اے رسولِ ہاشمی فریاد ہے فریاد ہے
غم گساری کیجیے۔ ہیں آپ سب کے غم گسار

تم ہی مظلوموں کی اُٹھ کر دستگیری کچھ کرو
حضرتِ صدیقِ اکبر مصطفےٰ کے یارِ غار!

ڈوبتی کشتی کو اے فاروقِ اعظم! لو بچا
نوحِ ثانی[2] تم کو کہتے تھے رسولِ نامدار

دو کرم کا اپنے چھینٹا تم ہی عثمانِ غنی!
اُمتِ احمد پہ مال و زر تمھارا تھا نثار

المدد اے شاہِ مرداں! کیا صفت ہے آپ کی
لافتیٰ اِلّا علی لاسیف اِلّا ذوالفقار

یا خدا! مکہ مدینہ حشر تک قائم رہے
امن کا گلشن کھلے آئے نئے سر سے بہار

شہرِ مکہ جس کو مولد سے نبی کے ہے شرف
وہ مدینہ جس کو ہجرت سے ہوا حاصل وقار

بے ادب گمراہ کا واں نام کو بھی ہو نہ دخل
ہو وہی خادم جو آقا کا ہو اپنے جاں نثار

شاہِ طیبہ اور طیبہ پر فطاحی ہو فدا
ہو نہ ایسا شہر کوئی اور نہ ایسا شہریار

[1] ۱۲۵۵ھ میں سلطان محمود بادشاہ ٹرکی نے روضۂ نبوی کو بعض ترمیمات کے ساتھ سبز رنگ سے مزین کرایا تھا اُس زمانہ سے قبۂ خضرا مشہور ہوا۔

[2] غزوہ بدر کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ عمر اس قوم میں نوح اور موسیٰ کی مثال ہیں۔

ترکیب بند نظامی

(۱۶) ربیع الاول ۱۳۴۵ھ / ۱۹۲۶ء - نبی خانہ واقع بدایوں میں پڑھا گیا

۱

فصل ہے یہ بہار کی بلبل و گل ہیں جوش میں ۔ چھائی ہے ایسی بے خودی مست نہیں ہیں ہوش میں
جام پہ جام چلتے ہیں توبہ شکن مچلتے ہیں ۔ شور بپا ہے ہر طرف محفلِ ناؤ نوش میں
ہو نہ ہو ذاکرِ نبی آئے ہیں یاں چھپے ہوئے ۔ نور کی ہیں تجلیاں روئے نقاب پوش میں
مژدۂ عشرتِ دوام دینے کو آئے ہیں یہ ۔ جان سی پڑ گئی ہے آج آرزوئے خموش میں
دور رہو رنج اور ملال جائے فسردگی و غم ۔ دَور ہے یہ نشاط کا کیفیت خروش میں

بزم میں آئیں سر کے بل آج کہاں ہیں اہلِ دل
گوشۂ غم میں کس لیے نالہ کشاں ہیں اہلِ دل

۲

دور ہو انتظارِ دید پردہ اُٹھے نقاب کا ۔ کہتی ہے یہ نگاہِ شوق وقت نہیں حجاب کا
ذرّہ کی تاب کیا بھلا ہو وہ نگاہ روبرو ۔ نکلے کبھی ابر سے کہیں چہرہ اُس آفتاب کا
جلوہ کناں ہو اس طرح حق کی ضو حجاز میں ۔ ایک نئی ہوا چلے دَور ہو انقلاب کا
اہلِ جفا پہ آ بنے اور یہ راز فاش ہو ۔ نجد کا جوش کچھ نہ تھا نقش تھا اک حباب کا
ظلم و ستم کا وہ مآل دیکھ لیں اپنی آنکھ سے ۔ آئیں بپا ہیں بے ادب جوش بڑھے عتاب کا

ہاتھ ملیں وہ سر دھنیں خلق میں ہوں ذلیل و خوار
پھٹ پڑے اُن پہ آسماں قہر سے ہوں وہ سنگسار

مرجعِ صد صفات ہے آپ کی ذات یا نبی ۔ آئینۂ کمال ہیں آپ کا ہے لقب صفی
آپ کے اک اشارہ سے چھکے عدو کے چھوٹ جائیں ۔ بچ کے نہ جائے وہ کبھی لاکھ اگرچہ ہو قوی
ایک نگاہِ لطف سے ملک عرب کے دن پھریں ۔ مذہبِ حق کا راج ہو دین کی ہو شہنشہی

قولِ سعود تھا غلط پردے میں بھی نہاں غرض
راز فریب کھل گیا کچھ بھی تو اصلیت نہ تھی

دل میں تھا کچھ زباں پہ کچھ قول سے فعل تھا جدا
وہ ہوا باعثِ فساد امن کا تھا جو مدعی

بھیج نظامیؔ حزیں اپنے نبیؐ پہ تو سلام
آئے وہ دن خدا کرے طیبہ میں ہو نیا نظام

اعلان نبوّت

(۱۷) یہ نظم ۱۲ ربیع الاول ۱۳۴۶ھ ۱۹۲۷ء کو نبی خانہ واقع بدایوں میں پڑھی گئی تھی۔

سبب کیا ہے نبی خانے میں ہے کیوں محفل آرائی
فضائے قدس کا جلوہ بھی ہے حسن کا تماشائی

نگارستانِ جنت کا سماں ہے آج محفل میں
در و دیوار پر چھایا ہوا ہے رنگ زیبائی

ہوائے مست ہے توبہ شکن دل ہے امنگوں پر
کدھر ہے ساقیِ رنگیں ادا فصلِ بہار آئی

پرانے مست باقی ہیں نہ وہ رنگِ چمن باقی
مگر پھر بھی غنیمت ہے یہ دورِ بادہ پیمائی

زلالی ہیں نہ ذاکر ہیں نہ شاطر ہیں نہ حشمت ہیں
ہوئی ہے حضرتِ عالی کے دم سے بزم آرائی

عجب فرحت فزا ہے عیشؔ و رغبؔ کی نواسنجی
عطاؔ و نازشؔ و جامیؔ کی دلکش نغمہ پیرائی

یہی تو ہیں جو مستِ بادۂ نعتِ پیمبر ہیں
یہی تو ہیں جنابِ سرورِ عالم کے شیدائی

وہ سردارِ دو عالم شہ حبیبِ خاصۂ داور
مسلم ہو چکی دونوں جہاں میں جن کی یکتائی

یکایک آپ نے غارِ حرا سے جلوہ گر ہو کر
اجاڑا بت کدوں کو ہر طرف توحید پھیلائی

وہ لائیں آپ پر ایمان تصدیقِ رسالت کی
خدیجہ نے یہ دنیا بھر سے پہلے منزلت پائی

علیؓ ابن ابی طالب ابھی تھے سیزدہ سالہ
مگر اللہ نے بخشی تھی ان کو عقل و دانائی

نبی کے جاننے والے نبی کے چاہنے والے
نبی کا فیضِ صحبت تھا نبی سے تربیت پائی

خدا کے شیر تھے دل کے جواں تھے عہدِ طفلی میں
نبی کے عاشقِ صادق نبی کے لاڈلے بھائی

کیا تصدیق فوراً اُس کے پیغامِ رسالت کو ... مصیبت جھیل کر اسلام کی تبلیغ فرمائی
ملی جب حضرتِ بوبکر کو ایمان کی دولت ... انھوں نے مال سے اسلام کو بخشی توانائی
رضائے مصطفیٰ میں وہ بھرے گھر کو لُٹا بیٹھے ... کمائی تھی جو دولت۔ فی سبیل اللہ کام آئی
رہی سہ سال تبلیغ و اشاعت رازداری میں ... نزولِ حکمِ حق سے ہوگئی پھر جلوہ پیرائی
یہ حکم آیا تو پھر کوہِ صفا پر مصطفیٰ پہونچے ... بلند آواز سے حضرت نے یہ تقریر فرمائی
کہوں میں یہ کہ "پُشتِ کوہ سے آتا ہے اک لشکر" ... تو کیا اس کو بجا ہوگا! تم مان لوگے اس کی سچائی
کہا سب نے کہ "ہاں باور کریں گے ہم ضرور اس کو ... کہ تم نے عہدِ طفلی سے ہے دولت صدق کی پائی"
یہ فرمایا کہ "تم ایمان لاؤ۔ شرک کو چھوڑو ... نہیں تو یہ سمجھ لو تم کہ اب کوئی بلا آئی"
یہ سُن کر چل دیئے کفار و مشرک ترش رو ہو کر ... پھرے وہ اُلٹے پاؤں اور نہ لائے تابِ شنوائی
خلل انداز یاں کرتے رہے وحدت پرستی میں ... ستمگاروں نے ان کو دکھ دیئے تکلیف پہونچائی
ہوئے جب دشمنانِ دینِ برحق خون کے پیاسے ... تو پھر حکمِ خدا سے آپ نے ہجرت کی ٹھہرائی

قطعہ

شجر اسلام کا پھولا پھلا میدانِ یثرب میں ... بلند اتنا ہوا۔ شاخیں گئیں تا چرخِ مینائی
لہو پانی کیا انصار نے یوں آبیاری کی ... ہوئی مضبوط جڑ۔ بڑھنے لگا جوشِ توانائی
مگر اب اپنے ہاتھوں آپ ہیں مسلم مصیبت میں ... ستم لاکھوں سہے۔ اپنے کیئے کی خود سزا پائی
گھرے ہیں بے طرح۔ چاروں طرف اعدا کا نرغہ ہے ... بہت مجبور ہیں۔ باقی نہیں تابِ شکیبائی
ہماری ذلتوں سے قوم کی ذلت سراسر ہے ... نمایاں دامنِ اسلام پر ہے داغِ رُسوائی
قطامی آپ کی سرکار میں فریاد لایا ہے ... ادھر بھی اک نظر للہ آقائی و مولائی
کسی سے وہ نہ پیچھے ہوں تمدن اور تمول میں ... مسلمانوں میں ہو علم و عمل کی کارفرمائی

ستارہ اوج پر آجائے پھر ان کے مقدر کا | یہ ایسے ہوں کہ ہو اوروں کی ان سے عزت افزائی

یہ پھر ویسے ہی ہو جائیں الٰہی جیسے پہلے تھے
پھر ان کے در پہ حاضر ہو جہاں بہرِ جبیں سائی

(۱۸) ۱۲ ربیع الاول شریف ۱۳۴۷ھ / ۱۹۲۸ء کو نبی خانہ واقع بدایوں میں پڑھی

ادھر اُدھر ہیں جلوہ گر عرب کی ضو فشانیاں | کلیم ہیں نہ طور ہے، کہاں وہ لن ترانیاں
نہ علم ہے نہ فضل ہے، نہ صدق ہے نہ ہے صفا | برائے نام رہ گئیں، سلف کی قصہ خوانیاں
نہ قرطبہ کی شان ہے، نہ ہے فضائے اُندلس | خیال میں ہیں شوکتیں، زباں پر کہانیاں
طلسمِ خاک میں ابھی، چھپا ہے گنجِ شائگاں | اُبھارتی ہیں شوق کو مٹی ہوئی نشانیاں
نہ عزم ہے نہ حوصلہ، نہ حرّیت کا ولولہ | خیال و خواب ہو گئیں، وہ اگلی حکمرانیاں
نہ وعظ کا اثر ہے کچھ، نہ دین کی خبر ہے کچھ | عمل کا نام ہی نہیں فقط ہیں خوش بیانیاں
بلا ہے دورِ مفلسی، کہ عام ہے گداگری | کہاں ہیں میہمانیاں، کدھر ہیں میزبانیاں
یہ قول مصطفےٰ کا ہے، بچو گداگری سے تم | تمھارے حال پر رہیں خدا کی مہربانیاں
نہ جی چراؤ کام سے۔ یہی ہے اصلِ زندگی | ہلاؤ اپنے دست و پا تلف نہ ہوں جوانیاں
نبی عرب میں آئے جب وہ رنگ ہی پلٹ گیا | اُجڑ گئیں فنا ہوئیں، بتوں کی راجدھانیاں
وہ نرم نرم گفتگو، وہ پیاری پیاری بات میں | وفورِ خلق سے مٹیں رکیک بدزبانیاں
لقب امین کا ملا، ازل میں ہو گئیں سپرد | قیامِ امن کے لیے، جہاں کی پاسبانیاں
بنی اسد میں دوستی، قریشیوں میں یک دلی | گئیں وہ خانہ جنگیاں، رہیں نہ سرگرانیاں
وہاں جو بے نوا گیا، مراد اپنی پا گیا | سحابِ جود سے ہوئیں کرم کی دُر فشانیاں
بشر کی ہے مجال کیا، لکھے جو مدحِ شاہِ دیں | خدا سے کوئی پوچھ لے، نبی کی قدردانیاں

سُنائے سرورِ اُمم کا پڑھے نظامیِ حزیں
یہ گھر ہوا ور نعت ہو رہیں رو و خوانیاں

(۱۱) نظامی صاحب ملک معظم ایڈورڈ ہفتم کے جشن سالگرہ میں

۱۹۰۵ء

لو مبارک دوستو پھر موسمِ گل آگیا
رنج و حرماں کلفت و غم کا نہیں ملتا پتا

پارک ہی، اہل وطن گل گشت میں مصروف ہیں
سیرِ گلشن میں اُنھیں کچھ لطف ملتا ہی نیا

دل میں اُن کے آج اُٹھتے ہیں خوشی کے ولولے
ہر دلِ پژمردہ رشکِ صد گلستاں بن گیا

کس طرح پھولے سمائیں وہ خوشی سی ہی خوشی
آج تو شاہی مسرت سے اُنھیں حصّہ ملا

اس خوشی میں ہمنوا ہیں اُن کے مسٹر چٹکلے[۱]
کر رہے ہیں رسم شادی اُن سے مل جل کر ادا

اُن کی یہ بندہ نوازی ہی جو وہ مہماں ہوے
اُن کی آمد نے مسرت کو دو بالا کر دیا

یوں ہی لاکھوں سال تک قایم ہی یہ برتھ ڈے
یوں ہی یہ جشنِ مسرت ہم کریں مل کر بپا

فخر ہی ہم کو کہ ہم برٹش رعایا میں ہوے
بادشہ ایڈورڈ ہفتم خوش نصیبی سے ملا

عہد میں اُس کے ہمیں حاصل ہوا امن و عافیت
کیوں نہ اُس کی عمر و دولت کے لئے مانگیں دعا

اُس گھڑی دُنیا میں اک اندھیر آتا تھا نظر
جب اُٹھا سر سے ہمارے سایۂ وکٹوریا

دی تسلّی تو نے ای ایڈورڈ فوراً ہی ہمیں
جس طرح گرتے کو لیتا ہی کوئی بڑھ کر اُٹھا

ماہ نومبر گزشتہ میں ہمیں بھیجی نوید
قیصرہ کے تھے جو وعدے اُن کو پھر زندہ کیا

اُن کو بھی ڈھارس بندھی جو دل میں کچھ مایوس تھے
سچ یہ ہی لفظوں نے تیرے کام مرہم کا دیا

دستِ مشاطہ بنا تو زلفِ برہم کے لیے
ورنہ شیرازہ ہمارا منتشر ہونے کو تھا

ای نظامی گلستانِ دہر میں پھولے پھلے
پائے عمرِ نوح یہ وکٹوریا کا لاڈلا

[۱] [illegible]

(۲۰) نظامی صاحب شہزادہ ولیعہد بہادر (پرنس آف ویلز) کے حضور میں

شہنشاہ زادہ ہے عالی گہر	اب و جد ہیں اُس کے بڑے نامور
وہ وکٹوریا کا ہے نورِ بصر	دعا ہند کی ہے یہ آٹھوں پہر

ولی عہد یارب سلامت رہے

جوانی کا عالم اُمنگوں کے دن	ابھی عمر کیا اُس کی کیا اُس کا سن
اُسے دیکھ کر خوش ہوں میری کوئن	وہ ماں باپ کے سایہ میں ہو مُسِن

ولی عہد یارب سلامت رہے

وہ ہوگا کبھی ہند کا حکمراں	ہوا آج قسمت سے جو میہماں
بنایا خدا نے اُسے میزباں	کہے کیوں نہ خوش ہوکے ہندوستاں

ولی عہد یارب سلامت رہے

یہ آمد کا دن قابلِ دید ہے	یہ ایڈورڈ کے آنے کی عید ہے
جو شہِ ہند کو عیشِ جاوید ہے	اُسی کی تو گویا یہ تمہید ہے

ولی عہد یارب سلامت رہے

جلیں وہ جو ہوں دشمنِ سلطنت	بگاڑیں گے کیا اُس کا بے مقدرت
یہ ہے شاہزادہ فلک منزلت	ورود اُس کا ہے مژدۂ عافیت

ولی عہد یارب سلامت رہے

وہ ہے جارج پنجم کا لختِ جگر	انگلنڈ کا وہ نورِ نظر
وہ ہے قیصر و قیصرہ کا پسر	شہنشاہ کا ہے وہ پیغامبر

ولی عہد یارب سلامت رہے

یہ دُنیا کا جب تک تماشا رہے ۔۔۔ مہ و خور کا جب تک اُجالا رہے
محبت کا جب تک تقاضا رہے ۔۔۔ یہی سب کے دل سے نکلتا رہے

ولی عہد یارب سلامت رہے

زمانے میں جب تک ہو دن اور رات ۔۔۔ ہو دن عید اُسے۔ رات ہو شب برات
خدائی میں ہے جس قدر کائنات ۔۔۔ یہ مصرعہ ہو اُس کا انیس حیات

ولی عہد یارب سلامت رہے

(۲۱) شہزادہ صاحب کو خدا حافظ

مارچ ۱۹۲۲ء

شہزادۂ ذی حوصلہ ذی رتبہ و ذی شاں ۔۔۔ یہ ہند کی قسمت تھی کہ تم اس کے ہو مہماں
اب چھوڑ کے جاتے ہو ہمیں زار و پریشاں ۔۔۔ اللہ نگہباں رہے۔ منزل ہو آساں

لو جاؤ سدھارو تمھیں اللہ کو سونپا

تم ہند کے مہمان تھے یہ کون ہے کہتا ۔۔۔ سچ مچ وہ سمجھتا تھا تمھیں آنکھوں کا تارا
تم مرکزِ اُمید تھے تم عینِ تمنّا ۔۔۔ جاتا ہے کوئی چھوڑ کے یوں اپنوں کو تنہا

لو جاؤ سدھارو تمھیں اللہ کو سونپا

کیا ہند کے پلّے تھا جو دیتا تمھیں ہدیہ ۔۔۔ دل ساتھ لیے جاتے ہو بس ہے یہی تحفہ
گھر خیر سے پہونچو نہ ہو کچھ راہ میں ضغطہ ۔۔۔ پیش آئے نہ کوئی سفرِ بحر میں خطرہ

لو جاؤ سدھارو تمھیں اللہ کو سونپا

گھر کا سا نہ یاں تم کو میسّر ہوا آرام ۔۔۔ بن آیا نہ پوری طرح راحت کا سرانجام
تھے ہند میں کب قصر جمیس[1] جیسے در و بام ۔۔۔ لندن کی سی تھی صبح کہاں اور کہاں شام

لو جاؤ سدھارو تمھیں اللہ کو سونپا

[1] قصر سینٹ جیمس شہزادہ کے رہنے کے محل کا نام ہے ضرورت شعری کی وجہ سے جیمس کی جگہ جمس نظم ہوا ہے ۱۲

(٢٢)

نظامی صاحب مملکت آصفیہ میں

مناظر حیدرآباد کی دل فریبیوں سے متاثر ہو کر دسمبر ۱۹۱۱ء میں لکھی

اے صفر کی بیسویں صد مرحبا صد آفریں
آج ہم نے خیر سے دیکھی دکن کی سرزمیں

مرکزِ ملت کا نقشہ ہو گیا پیشِ نظر
عزت و اقبالِ قومی کی جھلک پائی یہیں

کھیتیاں شاداب فصلیں بارور تازہ چمن
دیکھ کر یہ قدرتی نظارہ آنکھیں کھل گئیں

منظرِ خوش غیر فانی ہے تو خوبی لازوال
حسن کی دیوی ہے یہ نکھری ہوئی ستھری یہیں

کیا اُٹھیں زرخیزیاں ہو فکر و غم کا خاتمہ
ہے مسرت کا یہ گھر بشاش ہوں اندوہ گیں

ان گلستانوں کے آگے خلد ہے زیرِ نقاب
ان بیابانوں کے ہوتے گرد ہے چرخِ بریں

یہ وہ خطہ ہے جہاں ہے معدنِ علم و ہنر
آب گوہر آفریں ہے خاک جوہر آفریں

ہیں بہم شیخ و برہمن سبزہ و گل کی طرح
ہیں وہ اک جان اور دو قالب کہاں کا بغض و کیں

آب و تابِ قوم کی جلوہ گری ہے دل فروز
سب سے پہلے چشمۂ تعلیم اُبلا تھا یہیں

خوبیوں کی ڈھونڈھنے والی نگاہیں لوٹتی ہیں
کچھ سے کچھ ان کو نظر آتی ہے بلدے کی زمیں

بن رہی ہیں آج کل چاروں طرف سڑکیں نئی
خوش نمائی ہے کہیں۔ آئینہ بندی ہے کہیں

شاہراہوں کی ہے تیاری نرالے ڈھنگ سے
آسماں سے تاکتی ہے اُن کو چشمِ حورِ عیں

پُل ہیں ہیں تبدیلیاں رستوں میں ہے کایا پلٹ
لالہ زاروں سے ہے بہتر وادیوں کی سرزمیں

عرش پیما ہیں عدالت کی عماراتِ جدید
قلزمِ انصاف ہے دریائے موسیٰ کے قریں

ایک جانب کنگ کوٹھی ایک جانب باغِ عام
بیل بوٹوں سے ہے خوش اندازِ سطحِ یاسمیں

حُسنِ زیبائش پہ ہے قربان پریوں کا سنگھار
طرزِ آرائش پہ صدقے ہیں زمانے کے حسیں

رنگِ نو ہے باغ کی شاخوں پہ تازہ روپ ہے
پھول خرمن میں ہیں پھولوں کے عنادل خوشہ چیں

پھلیاں ہیں خوبصورت تازہ میوہ جات
دور ہی سے دیکھتی ہے جن کو چشمِ نرگسیں

ذرہ ذرہ ہے مہ و خور سے فزوں تنویر میں
چپہ چپہ ہے فضائے دلکشا سے خوش تریں

قصۂ فردوس سن کر قول یہ پھر یاد ہو
کہہ اٹھیں غنچے "ہمیں است و ہمیں است و ہمیں"

پڑ گئی اس عہد میں "عثمان ساگر" کی بنا
یہ بنا بن جائے گی۔ آبی ذخیرے کی امیں

عرض اس کا پندرہ فٹ طول اس کا تین میل
اور ساحل ہے بہشتی حور کی لوحِ جبیں

اب یہ ممکن ہی نہیں موسیٰ ندی کے جوش سے
قیمتی جانیں تلف ہوں یا کہ زر ہو تہ نشیں

رخ نہ بھولے سے کریں گی اس طرف طغیانیاں
سیل کیا موجیں ہوں گی خم بخم یا چیں بہ چیں

نل بنیں گے شہر میں امرت کی دھاروں کے لیئے
آب نوشوں کو ملے گا جن سے ذوقِ انگبیں

کچھ نیا بزمِ طرب کا رنگ "آورڈے" میں تھا
سرزمیں بھی باغ شاہی کی عروسِ نازنیں

ہم نہ بھولیں گے وہ لطفِ خاص باغِ عام کا
اک خدائی کے تماشوں کی نمائش تھی وہیں

یہ نمائش صنعت و حرفت کی جلوہ گاہ تھی
جمع تھیں اشیاء نادر ساز و سامان بہتریں

میر عثمان علی خاں ہیں دکن کے تاجدار
آستانِ پاک پر ہے ایک عالم کی جبیں

ہے ازل کے روز سے اقبال اس در کا غلام
شوکتِ خاقاں یہیں ہے دولتِ کسریٰ یہیں

آپ کے ہاتوں نمائش کا ہوا تھا افتتاح
آپ کا دستِ کرم گوہر فشاں ہے ہر کہیں

آپ کی جوہر شناسی کا دلوں پر نقش ہے
یوں زمانے میں کسی کا نام ہو زیبِ نگیں

ہیں نشانہ بازیوں سے رم صید ہوشیار
شہسواری پر ہے نازاں کس قدر دامانِ زیں

عدل کا آوازہ نغمہ ہے رعیت کے لیئے
نالۂ جاں سوز لب پر ہے نہ آہِ آتشیں

پہلوئے مارِ سیہ میں سو رہیں بیضہ فگن
آشیانِ باز میں کنجشک ہے گوشہ گزیں

بن پڑی ہے غمزدوں کی آج کل قسمت بنی ہے
ساقیِ مجلس۔ بہارِ گل۔ شرابِ آتشیں

شمع اُردو سب سے پہلے اس جگہ روشن ہوئی — دوڑ کر آئے ہیں آخر اس کے پروانے یہیں
اب خدا چاہے تو اُردو کو لگیں گے چار چاند — جامعِ عثمانیہ ہو جائے گی مہرِ مبیں
شرق سے تا غرب پھیلیں گی شعاعیں علم کی — رونق افزا ہوگی جس دن یہ عروسِ نازنیں
ہیں انھیں کے دم قدم سے یہ دکن کی لہر بہر — عقل آرا شاہِ آصف کے جو ہیں رُکنِ رکیں
سر فریدوں افسر الملک و یمین السلطنت — اہلِ دانش کو ہے ان کی قابلیت کا یقیں
راجہ مرلی دھر عماد الملک اور سالار جنگ — صاحبِ فہم و فراست۔ نیک۔ سنجیدہ متیں
ہے امینِ جنگ کا حسنِ تدبر بے مثال — ہے فصاحت جنگ کی جادو بیانی دل نشیں
ہیں تدبیرِ جنگ فوجی معتمد با کر و فر — شان جو اُن کی ہے ایسی شان کب دیکھی کہیں
بادۂ علمی سے ہیں سرشار مسٹر حیدری — معتمد ہیں آپ اور کارِ عدالت کے امیں
زندہ دل۔ خوش طبع نظمِ جنگ کے ناظم بشیر — آ نہیں سکتا کبھی ماتھے پہ بل ابرو پہ چیں
سیدِ مسعود و سر سید کی قابل یادگار — اُن کو لائی ڈھونڈھ کر شہ کی نگاہِ دوربیں
منبعِ علم و ہنر ہے آپ کا ذہنِ رسا — مخزنِ خلقِ حسن ہے آپ کی طبعِ حسیں
شرح لکھی جائے کیونکر ایک دفتر چاہیئے — اور بھی اعیاں ہیں کارِ حکومت میں معیں
آصفی دربار ہے گلشن۔ یہ سب گلشن کے پھول — آصفی دربار ہے خاتم۔ یہ خاتم کے نگیں
شاد ہے۔ آباد ہے۔ خوش قطع ہے سارا دکن — رونقیں۔ دلچسپیاں موقوف بلدے پر نہیں
رہرووں کو خضرِ منزل تھی شعاعوں کی جھلک — غیر ممکن تھا کہ پائے شوق رُک جاتا کہیں
سوئے مغرب لے چلی اورنگ آبادی کشش — دور سے ہم کو نظر آئے نگارِ دل نشیں
اک طرف نہریں رواں ہیں اک فضا ہے سبزہ زار — ہے پھلا پھولا چمن۔ پھولوں سے گلشن ہے زمیں
اس جگہ اک حوض ہے عہدِ کہن کی یادگار — کیا مصفا آب ہے۔ لہریں ہیں زلفِ عنبریں

حوض کے نیچے بنی ہیں کچھ عمارات قدیم ہیں وہ اک سیاح کی نظروں میں عبرت آفریں
سو رہے ہیں اس جگہ وہ پاک دل قدسی نفس جو ہیں بحرِ معرفت کے گوہرِ درجِ یقیں
نام نامی آپ کا خواجہ نظام الدین ہے نسل سے جن کی ہوئے ہیں فخرِ دنیا فخرِ دیں
شاہدِ وحدت کے جلوے ہو رہے ہیں آشکار خاکِ تربت سے نمایاں ہے جمالِ حورِ عیں
رابعہ بیگم بھی میٹھی نیند میں ہیں زیرِ خاک شاہِ عالمگیر کی محبوبۂ جنت نشیں
یہ کھنڈر یہ مقبرے سرمایہ ہیں تاریخ کا ذرے ذرے سے جھلکتی ہے بہارِ آخریں
یہ وہ بستی ہے تھکے ماندوں کی منزل تھی کبھی اب تو ان ویراں کدوں میں ہاں وحشت ہیں مکیں
دولت آبادی نظارہ ہے نہایت دلفریب لحظہ لحظہ محوِ حیرت تھی نگاہ سیر بیں
ہے صبا سرگرمِ شوخی مستِ موجِ آبشار لڑکھڑائے جس طرح نشے میں کوئی نازنیں
مظہرِ فطرت فلک منزل پہاڑوں کی فضا سنگ ریزے گھاٹیوں کے ہیں کہ ہیں دُرِ ثمیں
دفترِ قدرت کا مجموعہ ہیں پھولوں کے ورق اور کوسوں تک یہاں ڈھانکی ہے سبزے نے زمیں
برف بھی اس کی سپیدی سے ہوئی ہے آب آب گھاٹ کی دیوار مضبوطی میں کوہِ آہنیں
کوکتے ہیں ہر طرف صحرا میں طاؤسانِ مست رہ نوردوں کو لبھاتی ہے نوائے دلنشیں
پر فشانی سے عیاں ہے جلوۂ بالِ پری ہر طرف پرواز میں مصروف مرغِ دانہ چیں
کیجیے آزاد ہو کر اک نئی ہستی کی سیر دل یہ کہتا ہے یہیں ہو جائیے خلوت گزیں
دو پہاڑوں کی ہم آغوشی ہے کتنی دلربا حوض قتلو بھی یہیں ہے اور تروڑہ بھی یہیں
شوق نے ہم کو دکھائی راہ خلد آباد کی ہیں جہاں آرام فرما اولیائے کاملیں
ایک دنیا کو ہے ان ارواحِ پاکیزہ سے فیض زیبِ تربت زینِ دیں ہیں رکنِ دیں برہانِ دیں
کہہ رہا ہے ان بزرگوں کے مزاروں کا جلال حلقۂ ابرار میں ہم ان عرفاں سے تھے ہمیں

زین دیں کے قرب میں ہیں حضرت اورنگ زیب
خاکِ تربت سے ہے ظاہر دبدبہ اسلام کا
اک پہاڑی پر ہے مرقد زرزری زر بخش کا
غارِ ایلورہ عجب شے ہے دکن کے ملک میں
عہدِ گوتم کے صنم خانے بنے ہیں زیرِ کوہ
ایک جانب موجزن ہے آبشارِ خوشنما
دیکھنے والی نظر کو ہو رہا ہے یہ گماں
بت تراشی کے نمونے گھاٹیوں کی تہ میں ہیں
کہہ رہی ہیں غار کی سنگیں عماراتِ عجیب
نظم کرنا تھا بہت دشوار ان حالات کا

رونقِ بزمِ عدم ہیں چھوڑ کر تاج و نگیں
ملتِ بیضا کا جلوہ دیکھتے ہیں زائریں
عرس کی تاریخ میں ہے ازدحامِ حاضریں
جس کی صنعت پہ تصدق ہے نگارستانِ چیں
دستکاری دیکھ کر حیران ہیں نظارہ بیں
ہے وہ سو گز کی بلندی سے رواں سوئے زمیں
سطحِ ارضی پر ہے بہتا چشمۂ خلدِ بریں
صنعتِ مغرب بھی ہے ان کے مقابل شرمگیں
کیا ہوئی وہ شان و شوکت کیا ہوئے اپنے مکیں
کردکھایا اس زمیں کو ہم نے چرخِ ہفتمیں

"جاہ و ثروت ہو فزوں" ہے یہ نظامی کی دعا
شاہِ آصف جاہ کو رکھے اِ اللہ العالمیں

جدید امتیازی اعزاز "ایگزالٹیڈ ہائی نس" کے موقعے پر

جنوری ۱۹۱۸ء

نیا خطاب ملا سالِ نو مبارک ہو
تمھیں ہو ہند میں ممتاز شہریارِ دکن
تمھیں ہو جانِ خلائق تمھیں ہو قوم کی روح
خدا نے تم کو بنایا ہے تاجدارِ دکن
تمھیں ہو فخرِ سلف اور عزتِ اسلام
تم اقتدارِ دکن ہو۔ تم افتخارِ دکن
زہے عروج! کہ "رفعت مآب" تم ٹھہرے
بڑھی ہے قوم کی عزت۔ بڑھا وقارِ دکن
خدا کرے کہ رہے یوں ہی دورِ عثمانی
کہ اس زمانے میں ہے جوش پر بہارِ دکن
تمام قوم کا ملجا ہے آصفی ڈیوڑھی
نہ کس طرح دلِ مسلم ہو جاں نثارِ دکن

ردیفِ نظمِ نظامی دکن نہ ہو کیونکر
بسا ہی آنکھوں میں اس کی ابھی دیارِ دکن

سال گرہ ہمایوں ۱۳۳۶ھ ۱۹۱۷ء

(۲۳)

کرشمہ ساز ہوا ہی رخِ بہار کدھر؟
جمالِ شاہدِ گل کیوں ہی آج پیشِ نظر

یہ کیوں ہی نغمۂ شیریں سے سامعہ سرمست
یہ کیوں ہی جلوۂ گل رنگ باصرہ پرور؟

نشاطِ شب میں ہی گل بازیِ طرب کیسی؟
بساطِ دہر سے گلنار کیوں ہی جیبِ سحر؟

ورق ہی پھول کا رنگیں طرازِ عالم کیوں؟
کلی کا حُسن ہی کیوں باغ میں ضیا گستر؟

صبا یہ پوچھ رہی ہی چمن میں کلیوں سے
پیام لائی ہی کس کا نسیمِ جاں پرور؟

کس نے حکم دیا ہی شمیمِ گلشن کو
کہ ہو شگوفۂ سربستہ سے ابھی باہر؟

یہ کیا سماں ہی کہ ہیں مہر و مہ تماشائی؟
نگاہِ شوق ہی تابندہ صورتِ اختر

صدائے قلقلِ مینا سے مست ہیں میکش
وفورِ عیش کا باعث ہی گردشِ ساغر

سپاس نامۂ گل ہی ادائے حسن فریب
بیاضِ دیدۂ بلبل ہی عشق کا دفتر

ہی آج کیوں تر و تازہ دماغِ پژمردہ
کیا ہی خاطرِ غمگیں میں کیوں خوشی نے گزر؟

یہ فکر تھی مجھے اتنے میں عقل بول اُٹھی
کہاں ہی پردۂ مینا میں بادۂ احمر

نہ ذوقِ ساغرِ مُل ہی نہ لطفِ شاہدِ گل
تری حیات کا عنصر خوشی کا ہی جوہر

اُسے خوشی کا ہیں جوہر کہوں کہ جوہرِ ذات
وہ ایک ذات ہی مالکِ آفتاب یک کشور

وہ ایک ذات ہی آصف کی جو مسیحا ہی
اُسی نے پھونکی ہی اک روح قوم کے اندر

وہی تو عینِ مسرت ہی جس کے پرتو سے
ہر اک دماغ میں پیدا ہو فرحتوں کا اثر

اُسی خوشی سے ہو روشن خیالیوں کا ظہور
نظر فروز ہوں فیض و کرم کی جس پہ صور

اُسی اُمنگ سے ترغیب ہو ترقی کی
نہال جس سے ہو دُنیا وہ شادمانی ہے
خوشی کی جان ہے آصف کا جشنِ سالگرہ
وہ آفتاب جہاں تاب ہے تو قوم ہے ضو
اُنھیں کی ذات سے ہے اتحادِ اسلامی
وہی ہیں رہبرِ ملّت وہی ہیں سرورِ ملک
بہارِ حسن سخا ہے کہ ترجمانِ کرم
زہے جلال لیے ہے رتبۂ جہانداری
دکھائیں طاقتِ بازو تو پست ہو دشمن
بتا رہی ہے یہ دورِ گزشتہ کی تاریخ
کیے ہیں کام پر آشوب وقت میں کیا کیا
دکن کی آب و ہوا میں ہے رنگ بوئے وفا
سلف کو جس نے بنایا تھا امن کا بانی
بہائے فیض کے دریا وہ جنگِ یورپ میں
خطاب سے جو بڑھا اقتدار آصف کا
ازل سے شوق ہے اُن کو رکاب بوسی کا
بہ شانِ عدل ہے ظلمت ہو نور سے کافور
بنائیں خلد میں غلمان و حور سرمۂ چشم
کھنچی ہوئی ہے تمدن کی دل ربا تصویر

وہی تو جذبہ ہے سرمایۂ متاعِ ہنر
وہی ہے عیش کہ چھا جائے اک زمانے پر
یہ روز وہ ہے جو نوروز سے ہے بڑھ چڑھ کر
وہ ایک قلزمِ زخار ہے تو قوم گہر
انھیں کے دم سے ہیں افرادِ قوم شیر و شکر
وہی ہیں سارے زمانے میں آج نام آور
نگارِ وسعتِ اخلاق ہے کہ اک دفتر
خجل ہے تاجِ فریدوں و تختِ اسکندر
نگہ سے درہم و برہم کریں صفِ لشکر
بقائے امن ہے اس خاندان کا جوہر
نہ اُن کو بھولے گی برطانیہ کی فتح و ظفر
دکن کے لوگ ہیں ناآشنائے فتنہ و شر
حضور میں ہے وہی جوشِ تازہ آٹھ پہر
زبانِ شکر سے انگلینڈ ہے ثنا گستر
تمام قوم کا اعزاز ہے سر تا بسر
کہ آسماں پہ ہیں گردش میں آفتاب و قمر
جدا جدا رہے ہر برگ و بار سے صرصر
ملے نصیب سے خاکِ درِ حضور اگر
دکن میں قوم کا اقبال ہے ترقی پر

بنے ہیں پیکرِ انجم زمیں کے نقش و نگار
طلسمِ بوقلموں ہی کہ گنبدِ بے در

یہاں دکھائی ہی قدرت نے شانِ فیاضی
چھپے ہیں بحر میں گوہر دبا ہی خاک میں زر

ہر اک پہاڑ سے ظاہر ہی رفعت و جبروت
تجلیوں کا ہی جھومر ہر اک کی چوٹی پر

بتا رہا ہی تغیّر نظامِ عالم کا
کہ علم سے نئے قالب میں ڈھل رہا ہی بشر

یہ علم وہ ہی جو ہو زینتوں کی اک زینت
یہ علم وہ ہی جو ہو زیوروں کا اک زیور

بڑھی ہی علم سے قوموں کی عقل و استعداد
ہوئی ہی غور سے اور فکر سے وسیع نظر

غرض ہی یہ شہِ آصف کی علم کا ہو شیوع
بنائے قوتِ ذہنی کو ہر طرح بہتر

شکستِ رنگِ جہالت سے تیرگی مٹ جائے
اِدھر اُدھر ہوں فروزاں چراغِ علم و ہنر

ریاضیات کے پرتو سے ذہن ہو روشن
الٰہیات کے جلوے سے قلب ہو انور

دکن میں جامعِ عثمانیہ وہ قائم ہو
دکن ہو مصر تو جامع ہو جامعِ ازہر

ترقیاں ہوں کچھ ایسی زبانِ اُردو کو
کہ لفظ لفظ نظر آئے خوشنما گوہر

دماغِ ملک ہو روشن شعاعِ علمی سے
بنیں مفید کتابیں غذائے روحِ بشر

وہی علوم دکن میں ہوں جاری و ساری
کسی زمانے میں یونان جن کا تھا منظر

یہ مُدعا ہی وہی مُدعا جو ہی خوش کن
یہ آرزو ہی وہی آرزو جو ہی خوش تر

دکھا رہی ہی تمنائے قوم حُسنِ قبول
دُعا کے ہاتھ میں ہی رشتۂ نگاہِ اثر

الٰہی دولتِ عثمانیہ ہو روز افزوں
جو ہی غنی وہ غنی گر جو ہی گدا پرور

ہمیشہ علم و ہنر ہوں یہاں دوات و قلم
ہمیشہ نصرت و فتح و ظفر ہو اک لشکر

ترقیاں تجھے دن دونی رات چوگنی ہوں
ہو آفتاب کے لب پر یہی دعائے سحر

ترے اشارۂ فرماں میں دورِ چرخ رہے
ترے عدو کے مقدر میں رات دن چکّر

بس اب خموش نظامی عبث ہے طولِ سخن | اُٹھا کے ہاتھ دعا مانگ یوں کہ یا داور!

فزوں ہو دولت و عزت جنابِ آصف کی
جہاں فروز ہوں اقبال و جاہ تا محشر

(۲۵)

"محی الملة والدین" کے خطاب کا مختصر ہدیہ

۲۹ ستمبر ۱۹۱۱ء

سرزمینِ لکھنؤ تو ہے اودھ کی عزّو شاں
ہے فروغِ جلوۂ تہذیب تیرا ہر سخن
تیرے آئینے میں عہدِ رفتہ کا باقی ہے عکس
اے وہ تو جس کا تمدن مطلعِ انوار تھا
تیری طباعی سے تھی زیبائشِ بزمِ علوم
کوئی ایسی شے نہ تھی جس میں نہ نکلے کوئی بات
ہے قدامت کی جھلک اب تک ترے آثار میں
چشمِ عبرت کے لئے ہیں اک ورق تاریخ کا
کہہ رہے ہیں یہ زبانِ حال سے ٹوٹے کھنڈر
ہے تری آب و ہوا میں کچھ صلاحیت ابھی
تیری خاکِ پاک میں ہیں جمع سب اعیانِ قوم
جی میں ہے دنیا سے کہہ دیں وہ علی الاعلان آج
قوم کا آصف نہ ہوتا قافلہ سالار گر
ہے اسی کے دم قدم سے رونقِ دینِ متین
جمعہ کے دن مکہ مسجد میں سواری کا ورود

ذرّے ذرّے میں ترے پنہاں ہے گنجِ شائیگاں
ہے کلیدِ مخزنِ اخلاق ہر طرزِ بیاں
نغمۂ فطرت بنی ہیں تیری خوش الحانیاں
اے وہ تو جس کی ترقی تھی عروجِ آسماں
تیری صناعی سے تھی آرائشِ ہندوستاں
کوئی ایسی لے نہ تھی جس میں نہ ہو نغمہ کی جاں
گو اُجڑ کر مٹ چکے ہیں خانداں کے خانداں
کچھ پُرانی داستانیں کچھ تباہی کے نشاں
"ہم کو ازبر یاد ہیں اقبال کی نیرنگیاں"
آج کی اس بزم سے ملتا ہے کچھ اس کا نشاں
اک کشش ہے کھینچ کر جو اُن کو لائی ہے یہاں
ہیں انھیں شاہِ دکن سے جو عقیدتمندیاں
لُٹ چکا ہوتا کبھی کا آج قومی کارواں
اس کے بل سے آج زندہ ہے یہ قومِ ناتواں
مذہبی پابندیوں کا اس کی دیتا ہے نشاں

صدر و پائیں کا نہیں مسجد میں جس کو امتیاز — اِک مسلماں وہ بھی ہے سب مسلموں کے درمیاں

سطوتِ شاہی عبودیت کے قدموں پر فدا — سادگی اسلام کی چہرے سے ہوتی ہے عیاں

عہد میں اس کے بڑھا ماہِ مبارک کا ادب — شام کو افطار کا وہ روکشِ جنت سماں

حج کے جو پیاسے ہیں جاتے ہیں دکن کی سمت وہ — فیض کا سرکارِ آصف کے ہے اک جیحوں رواں

سیکڑوں حاجی بنا کے آصفی دربار نے — جاتے ہیں صرفِ مبارک سے حجازی کارواں

پوچھنا کیا ہے زکوٰۃ و صدقہ و خیرات کا — ان مدوں سے پرورش پاتے ہیں اکثر خانداں

قدردانی سے شہِ آصف کی سب اہلِ قلم — اپنی اپنی طبع کی دکھلاتے ہیں جولانیاں

ہیں محدث ان میں اور تاریخ میں کامل بھی ہیں — اک مفسر دوسرا علم ادب کا نکتہ داں

جامعِ عثمانیہ کی اس لیے ڈالی بنا — ہو معزز علم کے دربار میں اردو زباں

ہوں مساجد یا مدارس یا ہو کوئی خانقاہ — ہر جگہ ہے شاہ آصف جاہ کا سکہ رواں

دین کے حامی ہیں اور اسلام کے شیدا ہیں وہ — ہے محبت سرورِ عالم کی صورت سے عیاں

آپ کے عہدِ حکومت میں دکن شاداب ہے — عدل اور انصاف سے ساری رعایا شادماں

اک دکن کیا اس کی مٹھی میں ہے دل کل ہند کا — خاصکر ایک ایک مسلم کے ہے دل پر حکمراں

ہے محی الملۃ والدین اسے شایاں لقب — قالبِ اسلام میں گویا وہ ہے روحِ رواں

ہو قبولِ خاطرِ اقدس جو یہ قومی خطاب — عزت افزائی سے ہوں ممنون سب پیر و جواں

کشتیِ دل میں لگا کر ہم یہ تحفہ لائے ہیں — اپنے دل میں دیں جگہ تو جی ہو اپنا شادماں

وقت کم ہے اس لیے موزوں نہیں طولِ سخن — ورنہ کہنے کو تو باقی ہے بہت کچھ داستاں

لکھنؤ میں لب کشائی اے نظامی اور تو! — دیکھنا اشعار کی تیرے اڑیں گی دھجیاں

ہے مناسب یہ کہ اب تو مختصر کر بات کو — شاہ آصف کی دعا پر ختم ہو تیرا بیاں

سبزۂ و گل میں ہی جب تک حسن قدرت کی نمود
گل کی شاخوں پر ہیں جب تک عندلیب نغمہ خواں

دہر کی بزمِ طرب آگیں ہی جب تک جلوہ ریز
آبشاروں سے ہی جب تک جوشِ زن آب رواں

قوم اس کے دامنِ دولت کے سایہ میں رہے
قوم کے دل پر رہے اس کی محبت حکمراں

(۲۵) سال گرہ مبارک ۱۳۳۷ھ ۱۹۱۹ء

پڑ رہی ہی جو سالِ حال گرہ
یا الٰہی ہو نیک فال گرہ

مشکلیں حل ہوں قوم کی اس سے
مسلموں کو کرے نہال گرہ

موجِ دریائے جود ہی رشتہ
گوہرِ قلزمِ نوال گرہ

رشتہ تارِ رفوئے زخم جگر
قرصِ داروئے اندمال گرہ

مدِّ احکامِ شاہ ہی رشتہ
مُہرِ فرمانِ پُر جلال گرہ

رشتہ بحر طویل کا مصرع
ہی گرہ اس میں بے مثال گرہ

ہر برس سالِ نو مبارک ہو
ڈالی جائے ہزار سال گرہ

ای نظامی ہی عید کا مژدہ
تاجدارِ دکن کی سال گرہ

(۲۶) رجب ۱۳۳۷ھ ۱۹۱۹ء

موسمِ گل میں بہار آگیں ہی دامانِ دکن
برگ و بار خلد ہیں زیبِ گلستانِ دکن

جلوے پر جلوہ ہی پھولوں کے تبسم سے عیاں
ہی تجلی زار آغوشِ خیابانِ دکن

یوں بساطِ شادمانی ہی گل اندوز خیال
بلبلِ تصویر ہیں گلشن طرازانِ دکن

بوئے گل کو صحنِ گلشن میں خراماں دیکھ کر
ہیں مسرت سے نقاب افگن حسینانِ دکن

خود تماشے کو ہے اپنی آئینہ داری پہ ناز
عشق حیرت کے لئے چھانا ہے میدانِ دکن

کیا عجب گلدستہ بن کر چشمِ انجم کی نگاہ
ڈھونڈنے آئے فلک سے طاقِ ایوانِ دکن

رونقِ کونین ہے صبحِ سعادت کا ظہور
بارگاہِ خسروی ہے عزت و شانِ دکن

باب و در پر ہیں نمایاں جلوہ ہائے نو بنو
ہے برنگِ شہپرِ طاؤس ایوانِ دکن

باعثِ جوشِ مسرت ہے سلامی توپ کی
فوج شاہی میں ہیں صف بستہ جوانانِ دکن

آج باغِ عامہ میں کہتی ہے بادِ نسیم
ہو معطر بوئے جاں پرور سے دامانِ دکن

سالگرہ ہوں سے ہے بڑھ کر یہ گرہ عقدہ کشا
لکھ رہے ہیں حکم یوں اختر شناسانِ دکن

میر عثمان علی خاں جلوہ گر ہونے کو ہیں
بادشاہِ آسماں اور نائبِ خاقانِ دکن

قلبِ مومن ہوتے ہیں تسخیر اس کے نقش سے
ہے ہوا باندھے ہوئے مُہرِ سلیمانِ دکن

یہ فروغ اس عہد میں ہے علم کو تہذیب کو
علم ہے روحِ دکن، تہذیب ہے جانِ دکن

حریت کیا ہے کسے کہتے ہیں قومی زندگی
جانتے ہیں خوب اس نکتہ کو سلطانِ دکن

ذرّہ ذرّہ مہر ہو اُن کی نگاہِ لطف سے
سرمۂ تسخیر ہو ریگِ بیابانِ دکن

گوہر افشاں ہو رہا ہے ہر طرف دستِ کرم
سچ تو یہ ہے ایک عالم پر ہے احسانِ دکن

حبذا! اے دورِ عثمانی رعیت شاد ہے
مطمئن ہیں اہلِ ملت۔ امن قربانِ دکن

مجلسِ آئین کی وسعت سے عیاں جمہوریت
روشناس ذوقِ آزادی ہر انسانِ دکن

کیوں نہ خوش اسلوب ہو بابِ حکومت کا نظام
کیوں نہ خوش تدبیر ہوں اربابِ ایوانِ دکن

صدرِ اعظم کا تدبر دانش افروزِ جہاں
فخرِ علامی[۱] ہے سرتاجِ مشیرانِ دکن

ہے یہ سب بیداری و بیدار مغزی کی نمود
فیض آصف جاہ سے کچھ اور ہے شانِ دکن

صنعت و حرفت کی افزائش تجارت کامیاب
مال و نعمت سے ہیں مالا مال یارانِ دکن

۱؎ اکبرِ اعظم شہنشاہ ہند کے مشہور وزیر ابو الفضل علامی کی طرف اشارہ ہے۔

ہے نئے جامے میں آثارِ قدیمہ کی جھلک
کل کسی کے ذہن میں بھی تھیں نہ ایسی منزلیں
جامعِ عثمانیہ ہے مرکزِ اربابِ علم
ہیں کشادہ نسخۂ اسرارِ حکمت کے ورق
روشنی چھن چھن کے آتی ہے وہیں سے ہند میں
پھر نئے پیکر میں آئیں گی تصانیفِ قدیم
قدر افزائے ہنر ہے ذات آصف جاہ کی
کس طرح برطانیہ بھولے گی یہ مردانگی
جاں نثاری دیکھ کر بول اٹھے اربابِ نگ
کر دیا تازہ اسے طرزِ نظامِ حال نے
ہند والوں کی یہ خواہش ہے کہیں ما یوسیاں
"ہز مجسٹی" کا لقب ہو شاہ والا کو عطا
ہے دعا مطلب بر آئے ملک ہو گلابِ مراد
جس طرح بچھڑے ہوئے بھائی کو بھائی سے ہو انس
ہے یہ وہ صوبہ جو زرخیزی میں ہے یکتائے دہر
ہے یہ وہ صوبہ جو مل جائے تو حاصل ہو مراد
ہر طرف سے منہ امیدوں کا دکن کی سمت ہو
دفعتاً خوش ہو غنچہ غنچہ ہو ہم آہنگ خوشی
اس مسرت میں نظامی کو بھی کچھ حصہ ملے

مغربی جدت سے ہے پر نور سامانِ دکن
آج طے کرتے ہیں جن کو رہ نوردانِ دکن
اس زمانہ کی ترقی ہے سبق خوانِ دکن
کیا ادب آموزِ مغرب ہے دبستانِ دکن
اتحادِ ہند و مسلم ہے فیضانِ دکن
مژدۂ نو لیکے آیا ہے یہ فرمانِ دکن
ماہرانِ علم و فن ہیں گرم جولانِ دکن
پیل تن تھا جنگ میں ہر مردِ میدانِ دکن
رزم گہ میں سب سے بڑھ چڑھ کر رہی شانِ دکن
تھے وفاداری کے خوگر تاجدارانِ دکن
پائیں ہم سب کچھ اگر بر آئے ارمانِ دکن
ہو گلِ امید سے لبریز دامانِ دکن
پھر پرانی وسعتیں ہوں حد و پایانِ دکن
یاد کرتے ہیں اسے یوں دردمندانِ دکن
کہہ رہی ہے صاف یہ تاریخِ شاہانِ دکن
عدلِ برٹن کا بڑھائے ساز و سامانِ دکن
ہو شمال و مشرق و مغرب میں آنِ دکن
ہوں نشاط انگیزِ ہستی نغمہ سنجانِ دکن
میزباں شاہِ دکن ہوں وہ ہو مہمانِ دکن

(۲۷) اعلیٰ حضرت حضور نظام خلد اللہ ملکہ کے پانچ سلام محرم ۱۳۴۱ھ میں "سلکِ گوہر" کے نام ذو القرنین میں شائع ہوئے تھے اُن کی تقریب کے طور پر پہلے سلام کی ردیف و قافیہ میں یہ پانچ شعر لکھے تھے۔

اک نظر ہاں اس طرف بھی آنکھ اٹھا کر دیکھنا
اک جھلکتی اک دمکتی "سلکِ گوہر" دیکھنا

سلکِ گوہر کا ہے کوئی نظم گوہر بار ہے
اور ناظم ہے نظام شاہِ کشور دیکھنا

میر سر عثمان علی خان خسروِ ملکِ دکن
نظم ہے لبریز حبِّ آلِ اطہر دیکھنا

اب نظامی پیشکش کرتا ہے وہ نظمِ نظام
اس کے جذبے اس کی تاثیر اس کو پڑھ کر دیکھنا

اس کو جب دل سے پڑھو گے جب کرو گے دل سے قدر
قدر اس کی روزِ محشر پیش داور دیکھنا

(۲۸) یہ نظم

جولائی ۱۹۲۱ء میں نظامی صاحب نے حیدرآباد میں حاضر ہو کر بارگاہِ خسروی میں پیش کی تھی یہ وہ زمانہ تھا جبکہ خلافت اور ترکِ موالات کی تحریک نے مسلمانوں میں ایک ہیجان پیدا کر دیا تھا

کیا ہوا وہ موسمِ گل اور سامانِ بہار
کیوں ہے خونِ آرزو غازہ فروشِ لالہ زار

نقشِ عبرت ہیں چمن کی سوختہ سامانیاں
خون کیوں رونے لگی نرگس کی چشمِ انتظار

برقِ سوزاں ہے چمکتا جگنو کی صحنِ باغ میں
قمریاں کرتی ہیں پیشِ سروِ آہِ شعلہ بار

ہے شمیمِ روح افزا زیبِ خلوت گاہِ ناز
گوشۂ گل سنبلستاں کی طرح ہے پیچدار

سازو برگِ نخل ہیں شرحِ فریبِ انقلاب
باغ میں نابود ہیں شبنم کے دُرِّ شاہوار

جوش وہ پانی کا وہ موجوں کی فنا کا سبب
وہ شعاعِ زر فشاں سے قطرہ قطرہ ہم کنار

غنچۂ نو کا تبسم حسنِ قدرت کی دلیل
شاخ کی جانب سے وہ رمز و کنایہ بار بار

سبزہ کی شادابیاں بھیں چرخِ اخضر کا جواب
رنگ میں اک بات نکہت کی وہ مستانہ وار

کیا ہوئے وہ دن ہم آغوشِ تصور تھی فضا
کیا ہوا وہ دور سر میں تھی ہوائے خوش گوار

اب تو ہے سامانِ وحشت رنگِ گلشن سے عیاں
صورتِ زنجیر ہے کھلائی بیلیں پیچدار

کھل گیا گلچیں کے طرزِ جور سے سربستہ راز
ہے ہر اک گل کا طلسمِ رنگ و بو ناپائیدار

نالۂ بلبل ستم زا۔ دامنِ گل چاک چاک
چشمِ نرگس اشک ریزاں زلفِ سنبل تار تار

بلبلیں رونے لگیں مل مل کے شاخِ خشک سے
پھر گئی آنکھوں میں سیرِ گرمیِ فصلِ بہار

لحظہ لحظہ درہم و برہم ہے نیرنگِ نشاط
باغ میں اوراقِ گل ہیں پردہ ہائے انتظار

نام تھا اس باغ کا اسلام عہدِ رفتہ میں
مومنوں کے خون سے سینچے گئے تھے برگ و بار

سب سے پہلے ریگ میں اک پھول کا پودا اُگا
پرورش پا کر ہوا سے بن گیا وہ لالہ زار

نخل کے سایہ میں تھیں دنیا کی قومیں سجدہ ریز
پھول کے نظارہ سے خیرہ تھی چشمِ روزگار

غنچہ کا خلوت کدہ تھا درسگاہِ رازِ حق
پھول کی ہر پنکھڑی تھی صدق کی آموزگار

دیکھ کر اس باغ میں چھائی ہوئی افسردگی
میرے دل سے صبر رخصت ہو گیا بے اختیار

یاد آیا طائروں کا نغمۂ آزادی مجھے
اشک بہہ نکلے مری آنکھوں سے شکلِ آبشار

غنچۂ خاموش کو دیکھا تو حیراں ہو گیا
چہرۂ گل کی اُداسی نے چبھوئے دل میں خار

ذرہ ذرہ نے دکھایا مجھ کو صحرائے جنوں
میری وحشت نے سمیٹا ایک عالم کا غبار

یا خدا یہ باغ ہے یا وادیٔ پُرخار ہے
ہے کہاں اس کی فضا میں کہہ اُٹھا دیوانہ وار

حیف اس کے رنگ و بو سے ہم نہیں غافل رہے
اک لپٹ سے ہو گئیں بیگانہ قومیں ہوشیار

آہ! ایسے عہد میں سرسیدِ اعظم نہیں
قبر کے آغوش میں سوتے ہیں مہدی و وقار

تجربہ ہو یا نہ ہو اب سب ہیں قومی رہنما
لیڈروں میں ہو رہا ہے خودنماؤں کا شمار

کچھ تو آزادی کے مرسل کچھ فدائے حریت
فکر کیسی! غور کیا سینوں میں دل ہیں بے قرار

جذب ہونے کو ہیں وہ اغیار کی تحریک میں
دوسروں کا ہے سہارا دوسروں پر اعتبار

قوم تو ہے غیرتِ قومی نہیں ہے قوم میں
کیوں نہ ہوں صرفِ خزاں اس گلستاں کے برگ و بار

ناگہاں کانوں میں آئی یہ صدائے دلفریب
کیوں مسلمانوں کی حالت سے ہے تجھ کو انتشار

نخلِ ہندِ باغِ ملت آبروئے ملک و قوم
میر عثمان علی خاں ہیں دکن کے تاجدار

ہے اُنھیں کے دم سے زندہ مغلیہ شان و شکوہ
ہے اُنھیں کی ذات سے اسلام کا باقی وقار

خوبیاں کیا ہوں بیاں ان کی خلاصہ ہے تو یہ
عقل زریں، علم جوہر، خلق دُرِّ شاہوار

جود اُن کا جا بجا ہے فیض اُن کا چار سو
ہند پر ان کی سخاوت کا نہیں ہے انحصار

غم رسیدوں کی اعانت میں دیئے ہیں لاکھ لاکھ
دور بیٹھے وہ سمرنا کے بنے ہیں غم گسار

شہرۂ جود و سخا سے حاتمِ طائی خجل
طاقتِ بازو سے لرزاں رستم و اسفندیار

بن گئی اس عہد میں جھونکا نسیمِ صبح کا
ہوکے ٹھنڈی سوختہ جانوں کی آہِ شعلہ بار

کرۂ ارضی میں پیدا ہے تجلّی نور کی
آسماں سر بر زمیں ہے دیکھ کر ان کا وقار

شمع ان کے عہد میں آنسو بہائے کیا مجال
شرمِ الفت شوخیِ پروانہ کی ہے پردہ دار

میٹ دی پابندیِ مذہب نے ہر رسمِ خراب
اللہ اللہ رند ہیں اس عہد میں پرہیزگار

ہے دکن میں اس قدر لذت فزا دورِ حیات
خضر جس پر اپنی عمرِ جاوداں کر دیں نثار

خُلق اک جلوہ ہے جس جلوہ کی طالب خلق ہے
عدل اک آئینہ آئینے کے جوہر بے شمار

عقل یوں پُر نور زیبِ ماہ ہے جس کی صفا
بخت وہ کوکب کہ جس کا عکس بھی ہے تابدار

جاہ و حشمت اس طرح رہتے ہیں ان کے تحت میں
جس طرح عشاق زیرِ سایۂ دیوارِ یار

صیدِ صحرائی نگاہِ لطف سے ہو جائیں رام
یوں کمندِ شوق کھینچے اُن کو ہنگامِ شکار

جس کو دیکھو خوش۔ جہاں ڈالو نظر عیش و سرور
ان کے قدموں سے دکن کی بستیاں ہیں لالہ زار

واہ کیا رونق فزا بلدہ کی ہے اک اک گلی
ہے نہ ایسا شہر کوئی اور نہ ایسا شہریار

کس قدر ہے دل کشا نظارۂ دشت و جبال
آج کل برسات میں سبزے کی دلکش ہے بہار

شاہ کو یہ فکر ہی لوگوں کی خوش حالی بڑھے
ہوں نہ اہلِ ملک افلاس و جہالت کا شکار

ہیں منسٹر بھی جدا اک مجلسِ شوریٰ بھی ہی
باید و شاید ہی یہ بابِ حکومت کا حصار

صدرِ اعظم ہیں راکینِ حکومت کے "امام"
ان کی عقل و رائے پر نظم و نسق کا ہی مدار

جامعِ عثمانیہ میں جمع ہیں اربابِ علم
ہو رہی ہی ملک پر اُردو کی عظمت آشکار

ای نظامی حقِ مدحت ہم سے کیا ہوگا ادا
خوش رہیں آصف "دعا کرتے ہیں یہ لیل و نہار

(۳۰)

۲۳ شعبان ۱۳۵۳ھ م سنہ ۱۹۳۴ء

للہ الحمد آج پھر ہی نخلِ مقصد بار ور
پھر بہاریں جھومتی آئی ہیں گلشن میں نظر

ہر طرف سامانِ عشرت ہر طرف سازِ طرب
ہر طرف نغمے مسرت کے نویدِ عیش پر

جس گلی میں جائیے بلدہ کی رونق ہی نئی
زیب و آرائش سے ہیں رشکِ گلستاں بام و در

عام ہی جود و سخا درگاہِ آصف جاہ میں
ہو رہا ہی ایک عالم فیض یاب و بہرہ ور

آئینہ ملکی ترقی کا نمائش گاہ ہی
دیکھیے باغ کن میں صنعتیں ہیں جس قدر

کیوں نہ باغِ عامہ کا عرش پر پہنچے دماغ
آج ہی واں آمدِ سرکارِ والا کی خبر

باغ میں جو یادگارِ خسروی تعمیر ہی
آج اس مسجد میں ہوں گے شاہِ والا جلوہ گر

پیر و مرشد شاہِ آصف جاہ ظل اللہ ہیں
حکمرانی ان کی ہی سب مسلموں کے قلب پر

علم و فن ان کی مسیحائی کو ہیں مانے ہوئے
فیض پاتے ہیں اسی دربار سے اہلِ ہنر

جامعِ عثمانیہ سے آ رہی ہی یہ صدا
نخل اُردو اُن کے زیرِ سایہ ہوگا بار ور

عہدِ عثمانی زمانے میں ہی خود اپنا نظیر
آج تک پیدا ہوا ہی کوئی ایسا داد گر؟

یا خدا ان کو ہزاروں سالگرہیں ہوں نصیب
عدل گستر ملک پر اپنے رہیں با کر و فر

ہر برس لائے نظامیؔ نذر کو نظمِ جدید
جشن ہوں یوں ہی بپا جب تک رہے دورِ قمر

(۳۰) عرضداشت منظوم جو جنوری سنہ ۱۹۲۵ء میں قاموس المشاہیر جلد اول کے ساتھ بارگاہ خسروِ دکن میں پیش ہوئی

منبعِ فیض و کرم ہے بارگاہِ خسروی
مطلعِ مہرِ سعادت رونق کاشانہ ہے

جس طرف دیکھو دکن کی روشنی ہے جلوہ گر
شمع ہے حسن رہا ہے اک جہاں پروانہ ہے

صاحبِ اقبال آصف جاہ سلطانِ دکن
طالعِ روشن پہ صدقے حشمتِ شاہانہ ہے

ناخنِ تدبیر سے ہے عقدۂ دشوار وا
نازہے اس پر فراست کو کہ وہ فرزانہ ہے

وجد ہے نوشیرواں کو دنگ ہے حاتم کی عقل
منظرِ عدل و سخا ہے یا تجلّی خانہ ہے

نشۂ علم و ادب میں چور ہیں سب اہلِ بزم
ساقیِ عالی ہمم کے ہاتھ میں پیمانہ ہے

فکر ہے ہر دم کہ اُردو کا رہے ساغر رواں
علم و فن میں ہو ترقی ذکر یہ روزانہ ہے

ہو قبولِ شاہ یہ قاموسِ اُردو کیا عجب
دفترِ تاریخ ہے اسلاف کا افسانہ ہے

اے نظامیؔ کیوں نہ ہو تو موردِ لطف و کرم
پائے نسبت تیرے حق میں جود کا پروانہ ہے

قطعہ مبارکباد سال گرہ ہمایوں

(۳۱) رجب المرجب ۱۳۴۱ھ — ۱۹۲۳ء

لائی ہے بادِ صبا خوش خبری بلدہ سے
شہ کی ہے سالگرہ۔ تازہ بہار آئی ہے

یوں تو یہ شہر ہمیشہ سے رہا باغ و بہار
آج کل اور ہی کچھ انجمن آرائی ہے

عامہ باغ میں ہے جشنِ نمائش کی بہار
صنعتِ ملکِ دکن طرّۂ زیبائی ہے

ان دنوں بلدے میں ہے داد و دہش کا موسم
کرم و جود کی ہر سمت گھٹا چھائی ہے

عام دیدار ہی۔ بر آئیں گے ارماں سب کے — آج خدام کی۔ تقدیر سے۔ بن آئی ہی
آج ناکام تمنا نہ کسی کو دیکھا — کون ہی جس نے مراد اپنی نہیں پائی ہی
کششِ خاکِ دکن کھینچ رہی ہی دل کو — دیکھیے جس کو وہ آصف کا تمنائی ہی
فرشِ دربار کو پلکوں سے نہ کیونکر جھاڑیں — شاہ کی خاکِ قدم سرمۂ بینائی ہی
دینِ اسلام پہ یہ ذاتِ مبارک ہی فدا — جو مسلماں ہی اس شاہ کا شیدائی ہی
چھوڑ کر عتبۂ سرکار کہاں جائیں ہم — درِ آصف ہی پہ کچھ لطفِ جبیں سائی ہی
شاملِ حال ہے کثرتِ الطاف و کرم — رشکِ صد بزم مرا گوشۂ تنہائی ہی
میری خدمت کا صلہ شاہِ دکن نے بخشا — آرزو دل میں جو مدت سے تھی بر آئی ہی

خضر کی عمر ملے شاہِ دکن کو یا رب
دل سے لب پر یہ نظامی کے دعا آئی ہی

(۳۲) رباعی جو ۱۹ مارچ ۱۹۲۳ء کو بمقام حیدرآباد حضور خسرو دکن کی حضوری حاصل ہونے کے موقع پر لکھی تھی۔

لو ہم سے مسافر بھی مقامی ٹھہرے — درگاہِ نظام کے سلامی ٹھہرے
آفاق میں نسبت کے ہیں جلوے ظاہر — منسوب نظام سے نظامی ٹھہرے

قطعۂ تہنیت سالگرہ ہمایوں

(۳۳) ۱۳۴۲ھ / ۱۹۲۳ء

یومِ سعید سالگرہ پھر ہوا نصیب — جود و کرم کی دھوم ہی اک فیضِ عام ہی
وہ کون ہی نہ جس کو ملا گوہرِ مراد — جشنِ ولادتِ شہِ عالی مقام ہی
دارالسرور آج بنا خطۂ دکن — حصے میں شہریار کے عیشِ دوام ہی
جی چاہتا ہی اڑ کے دکن ہم بھی دیکھ آئیں — سنتے ہیں آج شاہ کا دیدارِ عام ہی

حکمت کو اُن کی پائے فلاطوں کیا مجال | لقمانِ وقت اُن کا مدار المہام ہے
اللہ نے دیا ہے تمھیں رتبہ بلند | کیونکر نہ وہ غنی ہوں کہ عثمان نام ہے
بلدہ ہے اور جامعِ عثمانیہ کا دور | دار العلوم ہے کہ وہ دار السلام[1] ہے
زندہ ہوئے علوم جو آوازِ قُم سُنی | عیسیِ وقت شاہِ دکن کا کلام ہے
یہ قوم اور حضرتِ آصف کی ہے مثال | تسبیح کے یہ دانے ہیں تو وہ امام ہے
یہ سال شاہ کے لیے مقصد برار ہو | حاصل برار ہو یہ دعا صبح و شام ہے
ذرّہ کو آفتاب سے نسبت نہیں مگر | یہ خاکسار موردِ لطفِ نظام ہے

دُنیا کے شاعروں میں نظامی کی کیا بساط
یک پائے "نسبتی" سے یہ سب احترام ہے

قطعہ تاریخ بہ تقریب سرافرازی ہز اکسی لنسی مہاراجہ کشن پرشاد بہادر المخاطب بہ یمین السلطنت جی سی آئی ای شاد "صوفی" بالقابہ بر منصب وزارت مملکت دکن

سنہ ۱۹۲۶ء

(۳۴)

(نظامی صاحب نے عمر بھر میں شاید دو چار ہی مرتبہ مادہ تاریخ نظم کیا ہوگا ان کو مادہ تاریخ نکالنے کا شوق اور مشق نہیں ہے یہ قطعہ تاریخ مسودات میں ہمارے ہاتھ آگیا تھا اس لیے درج کیا گیا تاکہ یہ قطعہ تاریخ بھی یادگار رہے۔ (مولف)

مہاراجہ کشن پرشاد صاحب | ہوئے ہیں پھر وزیر حیدرآباد
یہی ہے یادل شاد اس کی تاریخ | مہاراجہ بہادر کشن پرشاد

ا | ۱ + ۱۳۴۴ = ۱۳۴۵ھ

[1] بغداد کا جو کسی زمانہ میں علوم کا مخزن تھا دوسرا نام ہے۔

نظامی صاحب دار الاقبال بھوپال میں

قطعہ مبارکباد عید اضحیٰ ۱۳۳۹ھ م اگست ۱۹۲۱ء بمقام بھوپال

(۳۵) بحضور عالیجناب نوابزادہ افتخار الملک حاجی محمد حمید اللہ خاں صاحب دام اقبالہ

حبذا ای سرزمینِ خوش نما
تیرے آگے ہیچ ہی باغِ ارم

حُبِّ قومی سے ہوا لبریز دل
جب ادھر سیّاح نے رکھا قدم

اہلِ فن جس پر ہوں سَو جاں سے نثار
ہیں کتب خانے میں وہ ساماں بہم

شغل ہی تصنیف کا تالیف کا
ہوتی ہی تاریخِ اسلامی رقم

ہی گماں بھوپال پر بغداد کا
قرطبہ سے یہ نہیں رتبے میں کم

یہ پہاڑوں کی سُنہری چوٹیاں
آسماں سے مل رہی ہیں دم بدم

گھاٹیوں میں جلوۂ نو دیکھ کر
دوڑ کر صدقے ہو بادِ صبحدم

قصر حمرا ہی کہ سلطانی محل
شانِ کسریٰ سے سوا جاہ و حشم

عید کا مژدہ سُنا بھوپال میں
مٹ گیا دل سے یکایک رنج و غم

نور افزا ہی مسرّت کا جمال
خواب میں بھی آ نہیں سکتا الم

میزباں نے کر لیا ہی دل میں گھر
ہی سفر میں عیش گھر کا سا بہم

کیا بتاؤں کون ہی مہماں نواز
کیا بتاؤں کون ہی وہ ذی ہمم

یعنی وہ حاجی حمید اللہ خاں
کھائی ہی اقبال نے جس کی قسم

مفتخر مجھ کو حضوری سے کیا
افتخار الملک کا ہی یہ کرم

عید کی خوشیاں مبارک ہوں انھیں
تا ابد قایم رہے جاہ و حشم

(۳۵) نظامی صاحب دربار رامپور میں

حضور فرماں روائے رام پور بالقابہ کی اکتالیسویں سال گرہ کا مبارک جشن ریاست رام پور میں سنہ ۱۹۱۶ء

سازِ آہنابِ طرب ہی یا نوائے زندگی ... ساغرِ نیرنگ ہی یا گردشِ لیل و نہار

آج ہی روزِ ولادت شاہِ عالی جاہ کا ... جاں نثاروں کو بہ ذوقِ تہنیت ہی خوشگوار

جاہ و حشمت انجمن سازِ کمالِ خسروی ... شان و شوکت آئینہ پردازِ بزمِ روزگار

آفتابِ جود سے ہی ذرّہ ذرّہ فیضیاب ... گلشنِ اقبال سے ہی چپّہ چپّہ پُر بہار

عیش میں پھولے پھلے فرماں روائے رام پور ... یعنی سر حامد علی خاں سیّدِ عالی تبار

عمر ہو اس کی فزوں اور مرتبے اُس کے بلند ... اُس کی عزت اُس کا رُتبہ قوم کا عز و وقار

یوں نظامی کی دعائیں ہوں ہم آغوشِ اثر
نور کا پیکر بنے حرفِ بیاضِ انتظار

(۳۶) سالگرہ مبارک سنہ ۱۹۲۰ء

روکشِ جنت ہی نقشہ مصطفےٰ آباد کا ... مسکرائی نازکی آئی ہی بادِ صبا

توبہ لب پر گلرخوں کا ہاتھ سوئے جام ہی ... زاہدوں کی دشمن بنی گھنگور متوالی گھٹا

بھولی بھولی صورتوں کو گرچہ شوخی دیکھ کر ... حُسن پر ایمان لائے زاہدانِ باصفا

شوخ باتیں پیار کی گھاتیں لبھا لیتی ہیں دل ... گورے گورے ہاتھ ہیں اُٹھ اٹھ کے مصروفِ دعا

ہی نشاط و عیش سے وابستہ عہدِ حامدی ... عدل گستر۔ دادرس۔ فریادرس۔ فرماں روا

کون وہ؟ حامد علی خاں سیدِ عالی نسب ... کون وہ؟ سرکار والا۔ مخزنِ جود و سخا

خوش ادا کینِ ریاست ہیں رعیت شاد ہی ... بادشاہی "برتھ ڈے" کا جشنِ دلکش جاں فزا

شادمانی کی امنگیں باعثِ طولِ حیات ... عیش کے جلسے تمہیں سال ہوں یارب بپا

کیا عجب سمعِ مبارک تک رسائی اس کی ہو
نغمۂ شیریں نظامی کی ہو نظمِ دل ربا

(۳۷)

قطعہ تاریخ جشنِ شادی تولدِ فرزند دلبند ولیعہد بہادر ریاست رامپور

۱۹۴۳ء

اللہ اللہ آج ہے کیسی مسرت جوش پر
ہے قرینِ خورمی و عیش ہر فردِ بشر

جس طرف جاؤ مہیا طرفہ سامانِ نشاط
جس طرف دیکھو ہو پیدا رنگِ عشرت سربسر

روشنی سے جگمگاتے ہیں گلی کوچے تمام
آئینہ بندی سے رشکِ طور ہے ہر بام و در

مثلِ قصرِ خلد ہے اک اک مکانِ رامپور
اس قدر پُر نور ہے آراستہ ہے اس قدر

اک خوشی سی ہے خوشی سرکارِ والا جاہ میں
لٹ رہا ہے گنج و دولت بٹ رہا ہے مال و زر

وجہ یہ ہے گل کھلا وہ آج باغِ خاص میں
جس کی خوشبو سے ہے مہکا شہر کا ایک ایک گھر

یعنی خالق نے ولیعہدِ بہادر کو دیا
راحت و آرامِ جاں نورِ نظر لختِ جگر

صورتِ یوسف علی خاں بہادر ہو عزیز
حضرت کلبِ علی خاں کا سا پائے کر و فر

میر مشتاق علی خاں کی سی عزت ہو نصیب
سید حامد علی خاں کی طرح ہونا مور

ہو مثالِ والد ماجد رضا جوئے علی
اہل مشکل کی کرے مشکل کشائی عمر بھر

نام اپنے جدِّ عالی قدر کا روشن کرے
ہو خلف اسلافِ والا کا انھیں سا دیدہ ور

جدّ و اب کے سایۂ دامن میں پائے پرورش
جدّہ و مادر کے ظلِ عاطفت میں ہو بسر

فوق ہم عصروں پہ ہو یا رب مرے نواب کو
حکمرانی ہو مرے سرکار کی ہر قلب پر

علم کی دنیا میں اس کا ہو نہیں سکہ رواں
فیض پائیں اس کے در سے اہلِ فن اہلِ ہنر

سر پرستی قوم کی اس ذات سے جاری ہے
نخلِ قومی اس کے سایہ میں تا یارب بارور

اس کی بخشش سارے عالم میں ہے ضرب المثل
روشن اس کا نام دنیا میں ہو تا دورِ قمر

دوستِ احباب اس کے پائیں خوب لطفِ زندگی — اس کا جو چاہیں بُرا وہ جیسے جی ہوں فی السقر

دِل سے نکلی ہیں نظامی کے یہ سب ہونگی قبول — کون کہتا ہے کہ ہوتی ہیں دعائیں بے اثر

مجھ کو اب حالِ ولادت عرض کرنا ہے ضرور — اس لیئے اس قطعہ سے کرتا ہوں میں قطعِ نظر

سالِ پیدایش ہمیشہ کے لیئے ہو دل نشیں
نام اس مولود کا اشرف علی خاں ہو اگر
سنہ ۱۳۴۲ھ

نظامی صاحب قومی دارالعلوم علی گڈھ میں

(۳۸) لفٹننٹ گورنر صوبہ متحدہ سر ہارکورٹ بٹلر کا خیر مقدم علیگڈھ کالج میں (نومبر سنہ ۱۹۱۹ء)

وفورِ ذوقِ تمنّا سے شاد ہے کالج — کہ اس کے ہاتھ دُرِ شاہوار آیا ہے

نہ کیوں تلافیِ مافات کا سماں بندھ جائے — چمن میں دورِ مئے خوشگوار آیا ہے

اُبل کے آئی ہے موجِ شرابِ شیشوں سے — مچل کے ساقیِ گوہر نگار آیا ہے

نکھر نکھر کے نسیمِ سحر ہے عطر فشاں — کلی کلی پہ عنادل کو پیار آیا ہے

اُٹھا ہے جوش علی گڈھ سے خیر مقدم کا — رخِ علوم کا آئینہ دار آیا ہے

چمک اُٹھا ہے ستارہ سپہر کالج کا — نوید! غمزدوں کو غمگسار آیا ہے

ہو ترجمانِ غمِ قوم، روحِ سرسید — کہ دور سے کوئی سوئے مزار آیا ہے

قدم پہ آئے ہیں سر ہارکورٹ بٹلر کے — کہ بختِ علم کا بر روئے کار آیا ہے

عجیب شان سے گوہر فشاں ہو دستِ کرم — مچی ہے دھوم کہ ابرِ بہار آیا ہے

نہ کیوں خزانۂ شاہی سے ہن برس نکلیں — کہ آج والیِ با اختیار آیا ہے

خدا کرے اسی صوبہ کا ہو گورنر وہ — زبانِ خلق پہ یہ بار بار آیا ہے

(۴۰) نظامی صاحب خدمت قومی دار العلوم میں
(دو سو روپیہ کی نظم)

آج سے ربع صدی قبل یہ نظم اس موقع پر لکھی گئی تھی جب کہ نواب خان بہادر شیخ عبد الغفار صاحب رئیس شیخوپور کو آنریری مجسٹریٹ درجہ دوم کے اختیارات پہلی ہی مرتبہ ملے تھے اور اس خوشی میں احباب کو دعوت دی گئی تھی۔ نظامی صاحب کو ہر موقع پر اپنے پیارے دار العلوم کا خیال رہتا تھا اسی اثر سے اُنھوں نے یہ نظم لکھی اور شیخ صاحب موصوف نے اس کے صلہ میں دو سو روپیہ علیگڑھ کالج کو عطا فرمائے نظامی صاحب نے یہ رقم علی گڈھ کو بھیج دی جس کا شکریہ مسٹر تھیوڈر ماریسن نے جو اس وقت کالج کے پرنسپل تھے ۱۹ مئی ۱۹۰۰ء کی چٹھی میں ادا کیا تھا۔ نظامی صاحب کی یہ نظم اگرچہ شاعری کے پایہ سے اس درجے کی نہیں ہے جیسی اور نظمیں ہیں لیکن جس جذبہ اور جس خیال کے ماتحت وہ لکھی گئی ہے اس لحاظ سے بیشک ایک بیش قیمت نظم ہے اور دو سو روپیہ سے اس کی قیمت کہیں زیادہ ہے۔

آج شیخوپور ہے مخانۂ فرحت فزا
مجلس ساز و طرب ہے محفل عیش و نشاط
دے رہے ہیں سب دعائیں اپنے شاہنشاہ کو
نام ہے لاٹوش کا بھی ساتھ میں ورد زباں
ہندیوں کا قدرداں مردم شناس و خوش سیر
پی۔یو۔ ایلین کی عنایت بھول جانے کی نہیں
شہر کو اُس نے ہمارے کر دیا ہے گلستاں
اُس کو و ایس بھی ملا وہ صاحب تدبیر و رائے
ذوالفقار نفس ابن رئیس اور عبد غفار اس کا نام

بادۂ عشرت سے ہے مسرور ہر چھوٹا بڑا
شاعر شیریں بیاں ہیں شوق سے نغمہ سرا
دیکھیے وہ اُس طرف سے آئی آمیں کی صدا
کہہ رہے ہیں لاٹ ایسا آج تک دیکھا نہ تھا
عدل گستر مہر پرور مایۂ لطف و وفا
سال بھر تک ہے بدایوں پر کرم اُس کا رہا
میونسپلٹی کا جو منشا تھا وہ پورا ہو گیا
مشورہ سے جس کے ہے انجام کار اچھا ہوا
شان فاروقی فریدی کا ہے اُس میں پرتوا

دم قدم سے اُس کے باتوقیر ہے یہ خاکِ پاک
بات رکھ لی ہے برادیوں کی اُسی نے بارہا

جب کبھی قومی گداگر اُس سے کرتے ہیں سوال
بے تکلف اُن کی حاجت کو وہ کرتا ہے روا

قوم کی درماندہ حالت سے ہے ہر دم باخبر
جانتا ہے قوم ہے کن آفتوں میں مبتلا

خوب واقف ہے کہ جب تک قوم باعزت نہ ہو
قوم کے اعیان کو ہے عیش اپنا بے مزا

زر کو دیتا ہے لُٹا اصلاحِ قوم و ملک میں
خندہ پیشانی سے وہ سرمایۂ جود و عطا

شکر ہے ایلن کی کوشش سے شہ دیجاہ نے
اُس کی خدمت کا صلہ اچھا دیا اچھا دیا

فوجداری کا بنا حاکم زہے بختِ بلند
جس سے ہم چشموں میں اُس کا مرتبہ بالا ہو

دوسرے درجے کے اول ہی سے ملے ہیں اختیار
واہ اُس ممتازِ عالم کا ہے کیا طالع رسا

اس خوشی میں دے رہا ہے دولت نقدِ گراں
ہے وہ فیاض ابن فیاض آج ثابت ہو گیا

ہم دلاتے ہیں توجہ حالِ زارِ قوم پر
شیخ صاحب یکھے کرتے ہیں کیا کیا کچھ عطا

ہے نظامی کی یہ سب تحریک کالج کے لیئے
ہے نہ کچھ ذاتی غرض اپنی نہ ذاتی مدعا

مادہ تاریخ کا ایسا سناؤں جی میں ہے
بول اُٹھیں بے ساختہ سُن کر جسے سب واہ واہ

صاف سالِ عیسوی ہے یہ ز روئے انبساط
رُتبۂ عالی ملا عزت بڑھی درجہ بڑھا

۱۹۰۳ + ۱ = ۱۹۰۴ء

نظامی صاحب فضائے اخلاقیات میں

(۴۰) ۱۹۰۵ء

ہر کوئی دنیا میں خوش بھی یا خوشی معدوم ہے
برسبیلِ تذکرہ اک دوست نے اک دن کہا

دوست کی تقریر کو سُن کر کیا پہلے سکوت
سوچ کر آخر نظامی نے جواب اُس کا دیا

ہے وہی خوش جو نہیں ہے قید میں انسان کی
ہے وہ قیدی سے بھی بدتر وقت ہے جس کا بجا

ہی وہی خوش جو خدا ہی کے لئے کرتا ہی کام
رائے کو اپنی نہیں ڈر سے کسی کے چھوڑتا

ہی وہی خوش جس کو ہر دم ہی دیانت کا خیال
لاکھ اور روڑا لگے بھی اس کو نہ دیں حق سے ہٹا

ہی وہی خوش سدا ہی کو جانتا ہی جو ہنر
اور سمجھتا ہی کہ ہی اللہ کی اس میں رضا

ہی وہی خوش جو نہ اپنی خواہشوں کا ہو غلام
ہی وہی خوش نفس پر جس نے کہ قابو پا لیا

ہی وہی خوش ہر گھڑی مرنے کو جو تیار رہی
ہی وہی خوش جو نہ ہو حرص و ہوا میں مبتلا

ہی وہی خوش جو کرے مخلوق سے نیکی - مگر
آرزو شہرت کی رکھے اور نہ چاہے کچھ صلا

دوستوں کی جو ترقی پر نہیں کرتا حسد
بے شبہ اصلی خوشی میں اس کو ہی حصہ ملا

ہی وہی خوش علم کی دولت سے ہی جو بہرہ ور
دوست دنیا میں نہیں اس کا کتابوں کے سوا

شاہ ہی وہ اپنے گھر کا گر نہیں سلطان و ہر
پاس سب کچھ اس کے ہی ظاہر میں ہی گو بے نوا

چور کا ہی اس کو ڈر اور ہی نہ کچھ خوف غنیم
اپنی دولت سے وہ بے کھٹکے اٹھاتا ہی مزا

چاہتے ہو گر خوشی - اچھی خوشی - سچی خوشی
سوچ لو پہلے کہ دنیا میں تمھیں کرنا ہی کیا

زندگی کا ہو جو مقصد اس ہی میں کوشاں رہو
پھر نہ پاؤ گے کبھی رنج و الم کا تم پتا

ای نظامی جب خوشی ہی تجھ سے کوسوں بھاگتی
کس لیے پھر تو خوشی پر نظم لکھنے کو چلا

(۴۱) نظامی صاحب قومی پلیٹ فارم پر

جلسہ عید اسلامی دار الاخبار وکتب خانہ بدایوں کے لیے ۱۹۱۵ء میں لکھی گئی

عید کی شام ہی یا موسم گل کا ہی شباب
ماہ کا دور ہی خورشید ہوا زیر نقاب

رات نے گنبد گردوں کو سجا رکھا ہی
ماہ نے خاک کو آئنہ بنا رکھا ہی

سچ اگر پوچھیے تو نازیہ اس کا ہی بجا
اپنے ہمراہ ہی وہ عید کا مژدہ لایا

ماہِ نو! عید کا مژدہ ترا ہم آنکھوں پر
پر مرے دردِ جگر کی بھی ہے کچھ تجھکو خبر؟

ظاہری ٹھاٹ فقط تو نے ہمارا دیکھا
اچھے کپڑوں سے ہمارے۔ ہوا تجھ کو دھوکا

پوچھتا کاش! کہ طالب پہ ترے کیا گزری
عید کے دن اُسے روٹی بھی ملی یا نہ ملی

کل زمانہ جنھیں نوابِ زماں کہتا تھا
آج دل تھام کے کیا کہتا ہے پوتا اُن کا

چھوڑ کر علم و ہنر ہم نے یہ دن ہیں دیکھے
ظلمتِ جہل میں ہیں سارے مسلمان پھنسے

نہ وہ اگلی سی کتب ہیں نہ کتب خانے ہیں
نہ وہ چرچے نہ وہ باتیں نہ وہ افسانے ہیں

ہم جو چاہیں تو جما دیں ابھی سکے جم کے
فلکِ علم پہ پھر نجمِ بدایوں چمکے

عبدِ قادر[1] کی طرح ہم میں "بدایونی" ہوں
نخشبی[2] کچھ ہوں اگر ہم میں تو کچھ کشفی[3] ہوں

شاعری میں بھی کئی ہم میں نوا[4] ہوں پیدا
دوسرے ملکوں میں ہو جن کے سخن کا شہرا

ہو یہ سب کچھ اگر اسباب بہم ہو جائیں
متفق اپنے ہر اک کام میں ہم ہو جائیں

یہ "کتب خانہ" نہیں علم کا آئینہ ہے
قوم کے بامِ ترقی کا یہی زینہ ہے

اس کی رونق جو بڑھائیں تو ہماری عزت
گر بھلا دیں اسے ہم دل سے ہماری قسمت

حق میں ہے اہلِ وطن کے یہ نظامی کی دعا
عید مسعود ہو اور عشرتِ قومی ہو سوا

(۴۳) (دسمبر ۱۹۱۵ء)

غزل

جو مروج شاعری ہے اس سے کچھ حاصل نہیں
اور حاصل ہے جو کچھ وہ فخر کے قابل نہیں

ان دنوں ہر بچہ بچہ شاعری کا مدعی
کون ہے جو ادعائے افصح و اہل نہیں

[1] عہدِ اکبری کے مشہور مورخ بدایونی سے مراد ہے۔ [2] مولانا ضیاء الدین نخشبی بدایونی [3] مولانا شاہ سلامت اللہ کشفی متوفی بدایونی جن کا مزار کانپور میں ہے [4] مولوی ظہور اللہ خاں نوا بدایونی جن کو ایران سے طوطیِ ہند کا خطاب ملا تھا۔

ہے زباں پر وہ سخن جس کا نہیں دل میں اثر
واقعہ ڈھونڈو تو ملتا سیکڑوں منزل نہیں

روز مرتے ہیں نرالی موت ان کی موت ہے
بنتے ہیں بسمل مگر دیکھا کبھی بسمل نہیں

ہجو قاضی روزمرہ وصف تا وہ بول چال
پھر خدا ناکردہ کچھ ناداں نہیں جاہل نہیں

کہتے ہیں قرضی صنم کے ہاتھ مرگ و زیست ہے
جو خدا کا ہو نہ قایل اُس کے ہم قائل نہیں

ہیں زباں کے چست لیکن کام دھندے کے ہیں سست
ان سے بڑھ کر ساری دنیا میں کوئی کاہل نہیں

حیرتِ دیدار سے بنتے ہیں اکثر آئنہ
ہیں مگر مطلب ہیچ کس اس سے وہ غافل نہیں

ہاتھ بھر کا دل لیے پھرتے ہیں وہ آغوش میں
اور کہتے ہیں کہ پہلو میں ہمارے دل نہیں

جلوۂ جاناں نے کہتے ہیں کہ مجنوں کر دیا
ہو گئے پاگل یہ ہرگز بات کے قابل نہیں

ہو مہذب شاعری ہے یہ نظامی کی غرض
عیب جوئی اس کی عادت میں کبھی داخل نہیں

جلسۂ عید کتب خانہ اسلامیہ بدایوں کے موقعہ پر منظوم اپیل

(۴۴) عید اضحی ۱۳۳۳ھ مطابق اکتوبر ۱۹۱۵ء

عید کے روز ہے خوش مسلمِ ناکام کہاں
گردشِ بخت میں ذکرِ قدح و جام کہاں

جن کے اسلاف رہے نامِ خدا نام آور
اب خبر بھی نہیں رہتے ہیں وہ گمنام کہاں

آج تو قعرِ مذلت میں گرایا ہے ہمیں
دیکھیں لے جائے گی کل گردشِ ایام کہاں

ہم سفر منزلِ مقصود پہ پہونچے سارے
قافلہ ٹھہر گیا اپنا سرِ شام کہاں

قوم غافل ہے کچھ ایسی کہ نہیں فکرِ مآل
ابتدا میں اسے اندیشۂ انجام کہاں

عیدِ قرباں ہمیں قربانی کا دے لاکھ سبق
ہم بھلا سنتے ہیں ایثار کا پیغام کہاں

ہم وہ ہیں چشمۂ حیواں سے پھر آئیں پیاسے
اس زمانے میں ہے ہم سا کوئی ناکام کہاں

فکر عزت کی نہ کچھ غم ہمیں رسوائی کا
ہائے افسوس گئی غیرت اسلام کہاں

تم ہو جس مجلس اسلام کے مہماں اس وقت
یہ نہ پوچھو کہ وہ ہے مورد آلام کہاں

پیکر کتب خانۂ اسلامیہ اس حال میں ہو
ہے مگر مال کہاں گانٹھ میں ہیں دام کہاں

بار خاطر نہ ہو۔ یہ تذکرۂ دام و درم
ہے یہ اک حسن طلب۔ آپ پہ الزام کہاں

اے نظامی تری باتوں میں اثر لاکھ سہی
ہوش میں آتے ہیں رندان مے آشام کہاں

(۴۴) ہز آنر کا خیر مقدم بچوں کی زبان سے ۱۹۱۱ء

(افتتاح مسٹن اسلامیہ ہائی اسکول بدایوں کے موقع پر)

ابر کرم گھر آیا سر پر
اپنے وطن میں آئے گورنر

شفقت کی گھنگھور گھٹائیں
جھرمٹ باندھ کے آئیں سر پر

خوب کھلایا علم کا گلشن
او سر مسٹن! او سر مسٹن!

مہر کی ننھی ننھی بوندیں
چھوٹے بچے لیں گے سر پر

یہ مسٹن اسلامی اسکول
آپ نے کھولا بندہ پرور

خوب کھلایا علم کا گلشن
او سر مسٹن! او سر مسٹن!

اہل بدایوں یاد کریں گے
گھر کے تھے لفٹنٹ گورنر

شکر کریں کس منہ سے تمہارا
کھول دیا در علم کا ہم پر

خوب کھلایا علم کا گلشن

او سر مسٹن ! او سر مسٹن !

ننھے ننھے چھوٹے بچے
شہری اور مفصل والے

اور کمیٹی کے سب ممبر
کیوں نہ دُعا دیں ہاتھ اُٹھاکر

خوب کھلایا علم کا گلشن
او سر مسٹن ! او سر مسٹن !

جنگ کی حالت میں سب پالے
علم کے دریا ہند میں بہائیں

جیتے برٹش ہارے قیصر
پیاسوں کو مل جائے کوثر

خوب کھلایا علم کا گلشن
او سر مسٹن ! او سر مسٹن

(۳۵) (غزل مشاعرہ کونسل چیمبر کلب نینی تال منعقدہ ۲۳ ستمبر ۲۶ء)

یہ ہم سے آرزو ہے ہند کے پارینہ دفتر کی
مجھے اُلّو تو پیدا ہوں صدائیں شورِ محشر کی

کدھر ہے فلسفہ بدھ کا کہاں عرفانِ اجمیری
حریفِ بیخودی ہیں گردشیں مینا و ساغر کی

تڑپنے کی اجازت ہے نہ مرجانے کی رخصت ہے
یہ ہم سے چپکے چپکے کہہ رہی ہے چھیڑ نشتر کی

کہاں ہن کا برسنا مفلسی کا دور دورہ ہے
نہ صنعت ہے نہ حرفت ہے گئیں وہ باتیں زر کی

مزا جب ہے تجارت ہند کی ہو ہاتھ میں اپنے
درآمد میں برآمد میں ہیں چوٹیں ہم ابر کی

گلہ اغیار سے کیا ہم جو اس حالت کو پہونچے ہیں
لڑے آپس ہی میں خود ہی لڑکے حالت اپنی ابتر کی

ایک امریکہ کی مس ہو طعنہ زن ہم پر قیامت ہے
وہ نکتہ چیں ہو غیروں کی خبر جس کو نہ ہو گھر کی

بہت رسوا ہوئے لڑ کر گلے سے اب تو مل جاؤ
”مجھے اب میان میں رکھ لو“ یہ ہے آواز خنجر کی

نہ قربانی پہ قصہ ہو نہ باجے کا قضیہ ہو
ہو یکساں دل میں عزت چرچ کی مسجد کی مندر کی

نظامی صاحب بدایوں کے "تاریخی پلیٹ فارم" پر

(۴۷)

بدایوں سے خطاب ۱۹۳۴؁ء میں

ای بدایوں ہو نہ کیونکر تو زیارت گاہِ عام
معرفت کا ہند میں روشن ہوا ہی تجھ سے نام

تجھ میں اہل اللہ گزرے ہیں بہت عالی مقام
فیض ہی ان سب کا جاری ہند سے تا روم و شام

شہر پیراں نام تیرا ہند میں مشہور ہی
اولیاء اللہ کے تو نور سے معمور ہی

تجھ کو بخشے ہیں خدا نے اچھے اچھے اولیا
جن کے باعث قابلِ تعظیم ہی تیری فضا

قدر مٹی کی تری کرتے ہیں اربابِ صفا
دور سے آتے ہیں صوفی نام سُن سُن کر ترا

خواجۂ حالی جو دہلی کے لیے فرما گئے
شعر اُن کے سر بسر تجھ پر وہ صادق آ گئے

"شاذ و نادر تھا تصوف میں کوئی تیرا نظیر
آب و گل کا تیرے تھا گویا تصوف سے خمیر

تیرے کھنڈروں میں پڑے سوتے ہیں وہ مہرِ منیر
تھا کبھی انوار سے جن کے زمانہ مستنیر"

"آج جس دولت کا بازارِ جہاں میں کال ہی
تیرا قبرستان اُس دولت سے مالا مال ہی"

عارفوں کا تھا جو مرجع سالکوں کا تھا مآب
اولیا کے واسطے اک شہر تھا تو انتخاب

تجھ ہی میں آ کر ٹھہر جاتے تھے سارے شیخ و شاب
ہوں گدائے بے نوا وہ یا شہِ عالی جناب

کھینچتی تھی اپنی جانب کو تری آب و ہوا
کس بلا کی اس میں قدرت نے کشش کی تھی عطا

آئے مولانا عرب چل کر بخارا سے یہاں
تجھ میں میراں جی رح سے آئے معرفت کے رازداں

تیری خاکِ پاک میں ہیں جیسے یکتائے زماں
ان کا ثانی ہے کہاں بلاد "انڈیا" تا سیستاں

تجھ میں سوتا ہے ضیاء بخشیؒ سا نامور
پیرِ مکیؒ تیری خاطر آئے مکہ چھوڑ کر

بعد ازاں سلطان جیؒ نے آکے رونق دی تجھے
اور پھر شاہ ولایتؒ بھی یہیں آکر رہے
اک رضی الدینؒ محدث جب علی گڑھ سے چلے
وہ کشش سے خاک کی تیری یہیں آکر تھمے

بستے رہے آکر تجھی میں تو شہاب ہمرا
راس آئی اچھے اچھوں کو تری آب ہوا

خاص تیری سرزمیں نے جن کو ہے پیدا کیا
نام کا اُن کے بھی ہندستان میں ڈنکا بجا
خواجہ زین الدینؒ کا تاریخ میں ہے تذکرہ
قرب جن کو مسجدِ جامع کا ہے حاصل ہوا

اور محبوبِ الٰہیؒ بھی یہیں پیدا ہوئے
ذاتِ اقدس سے ہیں جن کی بھاگ ہی کو لگے

لا تعد مردانِ حق ہیں خاک میں تیری نہاں
ہو بھلا تفصیل اُن کی کس طرح مجھ سے بیاں
شاہ ذکر اللہؒ صاحب دل بھی گزرے ہیں یہاں
ذات سے ہے عینِ حقؒ کی فیض کا دریا رواں

اور دلدادہ علیؒ بھی تو بدایونی ہی تھے
خواجۂ اجمیر کے مولا علیؑ کے لاڈلے

عبدِ قادرؒ سا مورخ ہند کا جو فخر تھا
اکبری تاریخ کا ہے جس کی شہرہ جا بجا
صدق کو بے خوف ہو کر جس نے ظاہر کر دیا
رعبِ شاہی جس پہ اک دم بھی نہ غالب ہو سکا

اہلِ یورپ نے "بدایونی" رکھا ہے اس کا نام
غیر قومیں ہسٹری کا اس کو کہتی ہیں امام

حضرت احمد سے یہاں ہیں پیرو و چھوٹے بڑے
کچھ نہیں شک اس میں وہ اللہ والے لوگ تھے

مانگتا ہے جو کوئی حق سے دلاتے ہیں اُسے
کب بنے تھے پیر وہ دُنیا کمانے کے لیے

تھے وہ سر تا سر نمونہ مذہب اسلام کا
ہے خدا کے گھر انھیں لوگوں کا عالی مرتبہ

اے بدایوں کیا ہوئیں تیری مقدس ہستیاں
آج کل غافل نظر آتے ہیں تیرے نوجواں

جسم ہے موجود لیکن روح تجھ میں اب کہاں
ڈر ہے اک دن مٹ نہ جائیں تیرے دھندلے سے نشاں

جان و دل اپنا فدا اب تجھ پہ ہے حق کی قسم
فخر ہے ہم کو بھی کہلاتے بدایونی ہیں ہم

نظامی صاحب جلسہ وکٹوریہ پارک بدایوں میں

(۴۸) وکٹوریہ پارک جو بدایوں میں بیادگار ملکہ وکٹوریہ تعمیر ہوا اس کے افتتاحی جلسہ میں [illegible] میں پڑھی گئی

کل جو ہنگامِ سحر میں خوابِ راحت سے اُٹھا
دل فدا ہو جائے جس پر ایسی خوشبو کی لپٹ
بوئے گل پہونچی دماغوں میں جو یوں وقتِ سحر

نازسے چلتی ہوئی آئی نسیم خوش ادا
مُردے جس سے جی اُٹھیں ایسی نسیم جاں فزا
جاگے مرغانِ چمن کہتے ہوئے صلِّ علےٰ

دیکھنے کو یہ سماں خواہش ہماری بڑھ گئی
ضبط کی طاقت گھٹی بے اختیاری بڑھ گئی

چل دیا میں مشرق کی جانب کو نظارہ کناں
آج واں گلہائے رنگا رنگ ہیں چاروں طرف
راستہ چلنے کے قابل جو جگہ کل تک نہ تھی

دیکھتا کیا ہوں کہ کل تک جمع تھا کوڑا جہاں
خارزار وحشت افزا بن گیا ہے گلستاں
آج ہے آراستہ وہ صورتِ باغِ جناں

ہے تماشہ جو زمیں کل تک بُری حالت میں ہو

آج اس کو دیکھ کر پیر فلک حیرت میں ہے

دیکھ کر یہ رنگ اک سکتہ سا مجھ کو ہو گیا
سوچتا تھا اس تغیر کا سبب آخر ہے کیا
فکر ہی میں تھا کہ میرے حافظہ نے دی مدد
بھول کی عادت پہ نفریں کرکے مجھ سے یوں کہا
پارک کہتے ہیں اسے ہے قیصرہ کی یادگار
سامنے دیکھو وہ اسٹیچو بھی ہے جلوہ نما

قیصرہ وہ کون؟ جو سرتاپا انصاف تھی
دھوم جس کی معدلت کی قاف سے تا قاف تھی

عدل اور انصاف کے جاری جو فرماں ہو گئے
اللہ اللہ رہم سب ہندو مسلماں ہو گئے
سکہ اس کے عدل و صولت کا یہ بیٹھا خلق میں
بکریاں پائیں تو شیر اُن کے نگہباں ہو گئے
شہروں میں بھی جو نہ تھے پہلے زمانے میں نصیب
جنگلوں میں جمع وہ راحت کے ساماں ہو گئے

اے کوین الطاف ہوں ہم سے ترے کیا کیا بیاں
باپ اور ماں سے زیادہ ہم پہ تھی تو مہرباں

سرزمین ہند کو تو نے کبھی دیکھا نہ تھا
ہر بیاباں کے ذرہ ذرہ پر تھی توجہ سے فدا
سیکھ لی لندن میں بیٹھے بیٹھے اردو بول چال
جس کے باعث اس زباں کا مرتبہ بالا ہوا
جہل سے تاریک اک مدت سے تھا ہندوستاں
روشنی سے علم کی تو نے اسے چمکا دیا

نقش تیری شفقت و الفت کا اک اک دل میں ہے
اے سراپا خیر تیرا ذکر ہر محفل میں ہے

اے کوین کیونکر بھلائیں یاد تیری دل سے ہم
ہیں کیے تو نے ہمارے حال پر کیا کیا کرم
ہم نے دولت علم کی تیری بدولت پائی ہے
جس کے باعث ترقی کر رہے ہیں دم بدم
تو نے جو آزادیاں بخشیں وہ ہیں ضرب المثل
ہے یہ ناممکن کہ شکران کا ہو ہم سے بیش و کم

ہے دعا اولاد دنیا میں تری دائم رہے
تا قیامت بادشاہی تیرے گھر قائم رہے

شکر ہے ایڈورڈ ہفتم تاج کا مالک ہوا
عدل کی کیا انتہا اُس کے کرم کا کیا شمار
جب شہ تھے وہ بادشہ آئے تھے ہم کو دیکھنے

نامور بیٹا ترا نعم البدل ہم کو ملا
باپ ہو البرٹ جس کا اور ماں وکٹوریا
اُن کی الفت اور محبت کا بھلا کیا پوچھنا

ہے نظامی کی دُعا قایم ہیں جب تک بحر و بر
ہاتھ باندھے سامنے اُس کے ہیں فتح و ظفر

نظامی صاحب جلسۂ بسم اللہ خوانی سید انور مسعود سلمہ میں

(۴۸) سید انور مسعود فرزند اکبر سید راس مسعود المخاطب نواب مسعود جنگ بہادر کی بسم اللہ کی تقریب میں ستمبر ۱۹۱۹ء میں لکھی گئی

بنائے ملتِ بیضا ہے رسمِ بسم اللہ
نہاں ہے اس میں تعلّم کی عالم آرائی

نگارِ علم کی شوکت اسی کے دم سے ہے
عروسِ نطق کی ہے اس سے جلوہ افزائی

یہ رسم وہ ہے کہ ہے اس کا سادگی زیور
لٹا کے مال نہ ہو قوم محوِ رعنائی

ہوئی ہے سیدِ اعظم کے گھر میں بسم اللہ
کہ صحنِ مسجد و کالج میں ہے بہار آئی

بڑے شکوہ و تجمل سے ساعتِ مسعود
نشانِ علم و عمل اپنے ساتھ ہے لائی

یہ بزم وہ ہے کہ جس کی روش ہے سنجیدہ
نہ کچھ نمود و نمایش نہ کچھ خود آرائی

یہ طرزِ سادہ ہے سید کی یادگارِ سعید
قدیم جام سے ہے آج بادہ پیمائی

نہ کوئی دھوم دھڑکا نہ ڈھول کی آواز
نہ ہے فضول تکلف نہ بزم آرائی

نہ ہے سرود کا چرچا نہ ذکرِ چنگ و رباب
نہ رقص ہے نہ کوئی رقص کا تماشائی

مزارِ سیدِ محمود پر ہے کیا رونق
کہ مہر و ماہ بھی کرتے ہیں جبہ فرسائی

مزارِ پاک پہ حاضر ہے اس لیے انور
کہ فیض جد سے ملے اس کو علم آبائی

کتاب ہاتھ میں ہے ہر ورق ہے نورانی
بیاضِ صبح ہے اس جلد کی تمنائی

کشش میں دائرہ آفتاب[1] نور کے حرف
نقاط سے ہے نمایاں بہارِ زیبائی

یہ طفل ہے کہ ستارہ سپہرِ علم کا ہے
جبیں سے اس کی جھلکتی ہے عقل و دانائی

اُسی شعاع کا پرتو نہ کیوں پڑے اس پر
کہ جس سے قوم نے دنیا میں روشنی پائی

دُعا ہے دل سے نظامی فروغِ انور ہو
خجل ہو اس کی بلندی سے چرخِ مینائی

نظامی صاحب اپنے فرزند رشید مسٹر احید سلمہ کی واپسی لندن کے جشن مسرت میں

۵ اگست ۱۹۲۵ء

(۵۰)

بنا ہے غمکدہ عشرت کدہ سرور کدہ
ضیا فگن شبِ غم کی سحر کو دیکھتے ہیں

غریب خانہ کو ان کی کہیں نظر نہ لگے
حسود کیوں مرے دیوار و در کو دیکھتے ہیں

خدا کا شکر ہے آئے "احید" لندن سے
ہم اپنی گود میں لختِ جگر کو دیکھتے ہیں

ہمیں خوشی ہے کہ آیا ہے لعل لالوں لال
وہ اور ہوں گے جو لعل و گہر کو دیکھتے ہیں

عزیز دوست جو ملنے کو اس کے آئے ہیں
کبھی اُسے کبھی اس کے ہنر کو دیکھتے ہیں

عجائباتِ سفر پوچھتے ہیں جو احباب
حضر میں شعبدہ ہائے سفر کو دیکھتے ہیں

نگاہِ لطف کے باہم نہ کیوں مزے اُٹھیں
ہم آج بزم میں اہلِ نظر کو دیکھتے ہیں

کہاں یہ لوگ کہاں یہ مکاں بقول اسد
"کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں"

[1] صاحبزادہ آفتاب احمد خاں مرحوم انور صاحب کے جد امجد کی طرف اشارہ ہے جنھوں نے کتاب بسم اللہ ... [illegible]

(۵۱) نظامی صاحب دُنیائے شاعری کے بہاریہ اسٹیج پر

۱۹۲۰ء میں اُس مشاعرہ کے لیئے لکھی جو مسٹر او۔ ایف جنکنس ڈسٹرکٹ جج بدایوں کے الوداعی جلسے کے سلسلہ میں بمقام بدایوں منعقد ہوا تھا

غزل

بنی ہے جان پر کیا چارہ گر بھی دیکھتے جاتے
وہ تاثیرِ علاجِ بے اثر بھی دیکھتے جاتے

جو پیچھے رہ گئے ہیں تھک کے ان پر کیا گزرتی ہے
ذرا اے قافلے والو ادھر بھی دیکھتے جاتے

نگاہِ یاس تو دیکھی مگر مجھ پر کرم کرتے
نہالِ آرزو کو بارور بھی دیکھتے جاتے

جنھوں نے لوٹتا دیکھا ہے ہم کو دردِ ہجراں میں
وہ غمخوار اب شبِ غم کی سحر بھی دیکھتے جاتے

جو مرجاتا تو مرجاتا، نہ کرتا شکوہ غفلت کا
جو وہ بھر کر مرا زخمِ جگر بھی دیکھتے جاتے

پسینہ آچکا تھا جان جانے میں کسر کیا تھی
ذرا تھمتے مرا حالِ دگر بھی دیکھتے جاتے

نہ ہوتے اس قدر رسوا وہ اپنی جلدبازی سے
اگر عجلت پسندی کے ضرر بھی دیکھتے جاتے

اُٹھا کر آنکھ دُشمن کو نہ تکتے یہ غرض کب تھی
اُدھر بھی دیکھتے جاتے ادھر بھی دیکھتے جاتے

غبارِ خاکِ پا بنتا جو سُرمہ اُن کی آنکھوں کا
ترے انوارِ مایوسِ نظر بھی دیکھتے جاتے

کسی کا بھی نہیں بدخواہ گو سب سے بُرا ہوں میں
خطا کے دیکھنے والے ہنر بھی دیکھتے جاتے

گزرتی ہے نظامی کے دلِ محزوں پہ جو آفت
تماشا تھی کسے اہلِ نظر بھی دیکھتے جاتے

(۵۲) غزل برطرح مشاعرہ بہ تقریب شادی محمد احیدالدین فرزند حضرت نظامی منعقدہ ۵ اپریل ۱۹۲۰ء

مٹ جائیں لاکھ نقش عروجِ زوال کے
ہیں مرحلے نگاہ میں بدر و ہلال کے

میدان میں تم آؤ ذرا دیکھ بھال کے
ہمت کو ساتھ لیکے کلیجہ سنبھال کے

فریاد کس سے کیجیے ان کی بلا سُنے
دِل لے گیا وہ چل دیئے مطلب نکال کے

پچھتا رہے ہیں خون بہا کر وہ بعدِ قتل
قطرے جبیں پہ ہیں عرقِ انفعال کے

دُنیا امنگ پر ہے مگر تم ہو خواب میں
اچھی کہی کہ ہم ہیں پُرانے خیال کے
کیوں ہیں قریب ختم زمانہ کی ٹھوکریں
ارمان تو بہت ہیں دلِ پائمال کے
اقبالِ رفتہ حیف! کہاں تو چلا گیا
کیا ل گیا کسی کو تباہی میں ڈال کے

نالوں میں ہے وہ زور نظامی کہ الاماں
چاہوں تو آسمان پہ رکھ دوں اُچھال کے

(۵۳۷) غزل جو دسمبر ۱۹۱۳ء میں لکھی گئی جبکہ نظامی صاحب نے سید راس مسعود صاحب سے ملنے کے لیے حیدر آباد کا سفر کیا تھا

موافق جب نہ ہو قسمت۔ مخالف آسماں کیوں ہو
ہوا جب دوست ہی دشمن تو وہ نامہرباں کیوں ہو
مثل مشہور ہے ملتا نہیں ہے بے طلب کچھ بھی
جب ایسا ہے تو پھر موقوف فریاد و فغاں کیوں ہو
نہ مجھ کو وصل کی حسرت نہ دل پر ہجر کا صدمہ
نہ ہو جب مدعا کوئی تو میرا امتحاں کیوں ہو
دلِ مضطر کے جاتے ہی ہوا غمخوار بھی رخصت
جو ہو بیگانہ ایسا وہ کسی کا رازداں کیوں ہو
نہ اگلی سی طبیعت ہے۔ نہ اگلی سی اُمنگیں ہیں
سفر پر اپنے پھر سیر و تماشا کا گماں کیوں ہو
چلے ہیں گھر سے اس دُھن میں کہ اُردو کا چمن سینچیں
بہاریں لوٹ تھیں جس پر وہ تاراج خزاں کیوں ہو
ہمارا کعبۂ مقصد ہے جب مسعودِ مستحسن
دکن آنے کی یہ ہمت نظامی رائیگاں کیوں ہو

نظامی صاحب منبع الطب کالج لکھنؤ کے بارھویں اجلاس منعقدہ ۲۷ شعبان ۱۳۴۰ھ

مطابق ۲۶ نومبر ۱۹۲۲ء

(۵۴) رُباعی

حافظ تو بنا قوائے جسمانی کا
باقی تجھ سے علاج آسانی کا
ای منبع طب ملک میں تیرے دم سے
اختر چمکا ہی طبِ یونانی کا

(۵۵) قطعہ

منبعِ طب ہی درسگاہ عجیب
اور کچھ اس کی شان و شوکت ہی
ہی یہ کالج جہاں کا نبض شناس
علم کی آب فن کی زینت ہی
ہٹے کٹے ہیں ناتواں لاغر
ایک لحظے میں سب کو صحت ہی
وجد ہیں سوح ہی فلاطوں کی
حکمائے سلف کو حیرت ہی

اچھے ہو کر مریض کہتے ہیں
تندرستی ہزار نعمت ہی

تین مختلف نظمیں جو بعد دیباچہ لکھنے کے دستیاب ہوئیں

(۵۶) یہ الوداعی نظم ۲ شوال ۱۳۴۰ھ م ۲ مئی ۱۹۲۲ء کو لکھی گئی

محترم مولوی رضی الدین
آج ملکِ عرب کو ہیں راہی
آرزو تھی یہ ایک مدت سے
بارے اس سال ہیں وہ بر آئی
جذبۂ شوق کی کرامت سے
ہوئی آساں کڑی جو منزل تھی

سبز گنبد کا پہلے نظارہ — سنگ اسود کی پھر جبیں سائی
یہ وہ جلوے ہیں جو دکھا دیں گے — شوکت دین و شان یزدانی
ہم سے ہجوروں کی جو یاد آئے — کیجئے گا دعاؤں میں نہ کمی
عرض سرکار سے یہ کر دیجئے — ای طبیب مریض ہجوری
ہو نظامی کے واسطے بھی عطا — دارو‌ئے درد صدمۂ دوری
جائیے جائیے خدا حافظ — پھر ملیں خیر سے دعا ہے یہی

بہ سفر رفتنت مبارک باد
بہ سلامت روی و باز آئی

قطعۂ خیر مقدم

جو

خان بہادر مولوی رضی الدین صاحب بسمل بدایونی کے سفر حجاز کی واپسی کے موقع پر ۲۱ ربیع الاول ۱۳۴۴ھ کو لکھا گیا

دیکھ کر روضۂ شہ حضرت بسمل آئے — عشق کہتے ہیں اسے اے دل شیدا دیکھا
ایک مخلوق چلی آتی ہے ملنے کے لیئے — سب یہی کہتے ہیں فرمائیے کیا کیا دیکھا
سنگ اسود کو دیا بوسہ کیا طوف حرم — عرفات آ کے بھی قدرت کا تماشا دیکھا
سعی مشکور ہوئی سعی صفا و مروہ — جب صفا پر وہ چڑھے سامنے کعبہ دیکھا
آب زمزم بھی پیا کھائی ہوا مکّے کی — ہوئے رخصت جو وہاں سے تو مدینہ دیکھا
جب ہوئی پیش نظر روضۂ اقدس کی بہار — جیتے جی گلشن جنت کا نمونہ دیکھا

یاد آئے جو محرم میں حسینؑ ابنِ علیؑ
دل کو تسکین ہوئی مرقدِ زہرا دیکھا

قابلِ دید جو آثار تھے وہ سب دیکھے
دل پُر شوق کو اک ٹک میں ڈوبا دیکھا

چشمِ ظاہر کے سوا دیدۂ باطن اٹھا
جلوہ گر رابطۂ صورت و معنی دیکھا

کیوں بتائیں وہ نظامی کو بھلا راز کی بات
آنکھ کہتی ہے کہ کچھ اور بھی جلوہ دیکھا

(تمام شد)

قطعۂ تاریخ تیاری کتاب ہذا از حکیم محمد کفیل الدین صاحب عالی متولی نبی خانہ بدایوں

نظامی کو دادِ سخن دے رہے ہیں
فصیح البیاں شاعرانِ گرامی

جنابِ علی[1] احسن[2] و کیف[3] اور شاد[4]
قمر[5] نازش[6] و راغب[7] و عیش[8] و جامی[9]

سُنیں آکے مضطر[10] بھی تاریخ عالی
کلامِ نفیسِ جنابِ نظامی

۱۳۴۸ ـــ ۱۳

نوٹ: عالی صاحب موصوف نے اس قطعہ تاریخ کے علاوہ اس مجموعہ کا تاریخی نام بھی عنایت فرمایا ہے جو سرورق پر درج کیا گیا ہے اور یہ نام "مجموعہ کلام مولوی نظامی" ہے جس سے بے کم و کاست ۱۳۴۳ھ نکلتے ہیں عالی صاحب کی یہ ذہانت قابلِ داد اور مولف کے لیئے باعث شکرگزاری ہے۔ ہبۃ احمد

[1] حضرت احسن مارہروی [2] مولوی عطا احمد فرشوری کیف بدایونی
[3] مولوی اکرام احمد شاد بدایونی [4] مولوی قمرالحسن قمر بدایونی [5] منشی محمد مبین نازش بدایونی [6] مولانا یعقوب بخش راغب بدایونی [7] مولوی مجتہد الدین عیش بدایونی [8] حاجی عبدالجامع بدایونی [9] منشی کاظم حسین مضطر بدایونی